12/88
دسمبر 88ء

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاهِدُ مَنْ جاهَدَ نفسَهٗ (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم، صدیقِ دوراں، مجددِ طریقت، مجتہد فی التصوف، بحرِ علومِ شریعت، قلزمِ فیوض و برکات،

امامِ اولیاء، شیخِ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان علیہ الرحمۃ

مقام اشاعت

دار العرفان ۔ منارہ ۔ ضلع چکوال

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جلد: ۱۰ شمارہ: ۴

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

ماہنامہ المرشد

دار العرفان
منارہ
ضلع چکوال

جمادی الاوّل ۱۴۰۹ھ
دسمبر ۱۹۸۸ء

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

چشم بصیرت	مولانا محمد اکرم	۳
آدابِ زندگی	مولانا محمد اکرم	۶
برکاتِ نبوت	مولانا محمد اکرم	۱۳
صحابی	مولانا محمد اکرم	۱۶
دشمنانِ اسلام	حافظ عبد الرزاق	۲۶
والہانہ عقیدت		۳۰
خواجہ محمد معصوم	ڈاکٹر عبد الغنی	۳۲
استقامت حق		۳۹
حضرت امام ابو حنیفہؒ		۴۴
اللہ ہو	محمد مشتاق انجم	۴۷

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکی ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکی ڈالر

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع و ناشر: حافظ عبد الرزاق ○ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور ○ مقامِ اشاعت: دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

تاریخ حکمرانوں کی بے ثباتی کی داستانیں دہراتی رہتی ہے۔ کوئی فرعون ہوا ہے، کوئی شاہ ایران۔ کسی نے قوم کی دولت اپنے خوشامدیوں پر لٹائی کسی نے اپنے حکمرانی کے نشہ کو پورا کرنے کیلئے جبر و استبداد پر۔ جو بھی آیا عوام کو لوٹا، دیس کو لوٹا۔ اور یہ لوٹ کہاں لے گیا؛ خوشامدی کھا گئے وقت پرست لے گئے اور انجام آنے پر سب ساتھ چھوڑ گئے اور پھر ے دو گز زمین بھی نہ ملی کوچہ یار میں

حکمرانی کیا ہے؟ دو دن کا نشہ ہے، خمار ہے۔ یہ خمار اترنے سے پیشتر ہی حکمران کا اپنا وجود غضب الٰہی میں آجاتا ہے۔ زندگی کے چند دن باقی رہ جائیں تو وہ قید و بند میں سسک سسک کر گذارنے پڑتے ہیں یا بے یار و مددگار جلا وطنی کی قابل رحم زندگی ہوتی ہے۔ کوئی تختہ دار پر چڑھ جاتا ہے کوئی کسی سازش کا نشانہ بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں حکمرانوں کے جو واقعات بیان ہوئے وہ اسی لیے ہیں کہ کوئی عبرت پکڑے۔

گذشتہ اکتالیس سال میں پاکستان کے جتنے حکمران گذرے ہیں۔ ہر ایک کا انجام کیا ہوا؟ کیا یہی عبرت کیلئے کافی نہیں؟ ایک بار اور اس وطن میں الیکشن ہو گئے۔ کوئی ہارا، کوئی جیتا، کوئی نیم جیتا۔ جو ہارے وہ اللہ کا شکر ادا کریں۔ خوش قسمت ہیں وہ۔ خلق خدا کے ساتھ مزید ظلم اور زیادتی کرنے سے بچ گئے۔ جو جیتے اور نیم جیتے ہیں حکمرانی کے لیے ان کی تڑپ قابل دید ہے جمہوریت میں حکمران منتخب نہیں کیے جاتے، عوام اپنے نمائندے چنتے ہیں تاکہ کاروبار حکومت میں اُن کی نمائندگی اس لیے رہے کہ اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ اُن کے حقوق پامال نہ ہوں، ٹیکس اور مالیوں کی صورت میں جو ذرائع وہ حکومت کو فراہم کرتے ہیں ان کا جائز اور صحیح استعمال ہو تاکہ پوری قوم کی حالت سدھرے اور خوشحالی آئے۔ یہ نمائندے اپنے عوام کے سامنے جواب دہ بھی ہوتے ہیں کیونکہ یہ نمائندگی صرف پانچ سال کے لیے ہے۔ تاریخ انسانی میں پانچ سال کی حیثیت ہی کیا ہے۔

پاکستان کی اکتالیس سال کی مختصر ترین سی تاریخ میں عوام نے کئی مرتبہ نمائندے چنے۔ ہر مرتبہ وہ عوام کی نمائندگی کو پس پشت ڈال کر حکمران اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ چند سال خوب لوٹ مار اور تباہی مچائی۔ عوام تو زندہ رہ گئے لیکن وہ منتخب ڈکٹیٹر اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ قوم کی لوٹی ہوئی دولت کام نہ آئی حکمرانی نہ رہی اور آخرت میں اپنے لیے عذاب ہی عذاب جمع کر گئے۔ "جو ڈانگ" کے زور سے ڈکٹیٹر بنے وہ تو ڈکٹیٹر تھے ہی۔ انجام ان کا بھی وہی ہوا۔

پاکستان کے مسلمان اب بھی زندہ ہیں اسی سرزمین پر اسلام آئندہ بھی زندہ رہے گا۔ اگر اس مرتبہ چنے ہوئے نمائندے بھی، اپنے حق نمائندگی کو بھول کر حکمران اور ڈکٹیٹر بن گئے اور گذشتہ حکمرانوں کے نقش قدم پر چلے تو قانون قدرت وہی انجام اُن کا بھی مقدر ہوگا۔ البتہ نمائندگی کے اس فریضے کو، عوام کا حق اور قدرت کا عطیہ سمجھ کر، ادا کریں۔ اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کی خاطر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرنے کی بجائے انصاف اور حق کے تقاضوں کو پورا کریں اور اپنی صلاحیتوں کو قوم کی بھلائی اور دین کی سربلندی کے لیے استعمال کریں تو وہ نہ صرف اگلے انتخاب میں دوبارہ عوام کی نمائندگی کے حق دار ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور بھی سرخرو ہوں گے اور عبرتناک انجام سے بھی محفوظ رہیں گے۔

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم

چشم بصیرت

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔

اے لوگو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کریم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں۔ یہ بڑا عجیب اور نرالا انداز ہے۔ دنیا کا ایک نظام ہے جس میں رب کریم نے ہر ایک چیز انسانوں کے لیے مسخر فرما دی ہوئی ہے۔ کوئی بہت بڑی کاوش کرتا ہے، بہت بڑی محنت کرتا ہے تو وہ اُس شے کے طریق استعمال کو دریافت کر لیتا ہے۔ کوئی چیز ایجاد نہیں کرتا۔ جن چیزوں کو ہم ایجادات کا نام دیتے ہیں، دراصل ان کا وجود پہلے سے موجود ہوتا ہے اُس وجود میں وہ کام کرنے کی صلاحیت رب العالمین نے پہلے سے سمو دی ہوتی ہے جسے ہم موجد کہتے ہیں، یا جس کے متعلق ہمارا گمان ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی ایجاد ہے اُس کی محنت اتنی ہوتی ہے کہ اِس موضوع پر محنت کر کے، مجاہدہ کر کے کوشش کر کے تحقیق کر کے وہ طریقہ دریافت کر لیا جس طریقے سے اُس طاقت کو یا اُس نعمت کو انسان استعمال کر سکتا ہے، اور یہ انسانیت کے لیے عام ہے۔

جس طرح غلہ اُگتا ہے، پھل پکتے ہیں، سورج طلوع ہوتا ہے، بارش برستی ہے، ہوا چلتی ہے سارا انسانوں کے لیے ہے، اسی طرح تسخیر کائنات بھی سارا انسانوں کے لیے ہے۔ جو انسان محنت کرے گا عین ممکن ہے کہ وہ کوئی نئے سے نیا طریقہ دریافت کرے۔ اندازہ کریں جس طرح کا لباس ہم نے پہن رکھا ہے اس طرح کا لباس بعض ممالک میں لوگوں کو سلائی کرنا نہیں آتا، شلوار قمیض سلائی نہیں کر سکتے دوسرے ممالک میں جس طرح سلائی کیا جاتا ہے ہمیں اُس طرح کا بنانا نہیں آتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اگر کوئی دوسرے ملک میں شلوار قمیض کی سلائی کر لے تو اُس نے کوئی نئی چیز بنا لی اُس نے وہ طریقہ دریافت کر لیا۔

اسی طرح بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے پوری انسانیت بے خبر ہوتی ہے حقیقتاً اُن چیزوں کا وجود ہوتا ہے، تخلیق وہ اللہ کریم کی ہے تاثیر اُس میں اللہ ہی نے رکھی ہے۔ جو قوم اللہ پر ایمان لاتی ہے جن لوگوں کا اللہ سے تعلق کا دعویٰ ہے انہیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس موضوع پر زیادہ تحقیق کریں۔ چونکہ ان کے

لیے دوسروں کی نسبت بہت آسانی ہے۔ اور وہ آسانی یہ ہے کہ کر اُن کے دل کا، اُن کے قلب کا، اُن کے باطن کا ایک تعلق ہے اللہ کریم کے ساتھ جس کی وجہ سے تعلیمات ربانی اُن کے قلوب میں در آتی ہے۔

آج ہم زمانے کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں، ہمارا مولوی، مولوی ہی کہلائے گا ورنہ مولوی اور ملاں تو بہت پائے کے لوگ ہوتے تھے۔ اب چونکہ ہر اُس آدمی کو جو محلے کی مسجد میں ہے یا ہر اُس آدمی کو جو نماز پڑھا دیتا ہے۔ مولوی کہتے ہیں۔ ہمارا مولوی بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی نصاب ایسا نہیں ہے جو شخص جس فیلڈ میں جاتا ہے اُسے دین نہیں پڑھایا جاتا۔ اگر وہ ساری عمر زیادہ دین بھی جانتا ہے تو بس اتنا ہی جتنا بچپن میں اُسے والدین نے نماز یا کلمہ سکھا دیا تھا۔ جو مسجد میں آتا ہے اُسے باہر کے متعلق کچھ نہیں بتایا جاتا وہ باہر کے متعلق سُنی سنائی تک ہی جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے متعلق ہمارا مولوی ہمیں صحیح رہنمائی نہیں دے سکتا۔ اُس کا قصور نہیں ہے اِس لیے کہ وہ واقف نہیں ہے جس بات کو وہ جانتا نہیں اُس بات میں رہنمائی کیا دے گا۔

جب یورپی قومیں مکان تک بنانا نہیں جانتی تھیں اُس اُس زمانے میں بغداد میں پختہ سڑکیں ہوا کرتی تھیں بارود مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا گھڑی مسلمانوں نے ایجاد کی تھی۔ اُس دور کی جتنی ایجادات تھیں وہ سب مسلمانوں کی تھیں۔ بیشتر فلکیاتی کلیے اور بیشتر ایجادات سے مسلمانوں کے نام مٹائے جا چکے ہیں کیونکہ انہیں آگے ڈویلپ کرنے کا کام، اُن کو ترقی دینے کا کام دوسری قوموں نے کیا اور ہم بتدریج پیچھے ہٹتے چلے گئے ہمیں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کے لیے غائبانہ سب کچھ ہو جائے گا۔ جو نظام قدرت کے خلاف تھا۔

اللہ کریم کا نظام یہ ہے کہ اُس کی کائنات میں رہ کر۔ اس کی کائنات کے رازوں کو، بھیدوں کو سمجھا جائے سلجھایا جائے اور جس قدر بھی انسانیت کی خدمت کے لیے اِن قوتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے انہیں استعمال میں لایا جائے۔ ہم نے اُن کے طریق استعمال دریافت کرنا ہے۔ اُن میں استعمال کی خصوصیت رب جلیل نے رکھ دی ہے۔ فرمایا۔

اَلَمْ تَرَوْا تم دیکھتے نہیں ہو، تمہیں سمجھ نہیں آتی سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے جو کچھ زمینوں میں ہے اللہ نے سب تمہارے لیے مسخر کر دیا تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ اب تم اُس میں سے بے شمار چیزیں مختلف، آمیزے بنا کر تیار کر سکتے ہو۔ جس طرح ہم ایک غلے کے مختلف کھانے بنا لیتے ہیں۔ ایک سبزی سے مختلف قسم کے سالن بنا لیتے ہیں ایک گوشت سے مختلف قسم کی ہانڈیاں تیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ایک میٹریل سے مختلف قسم کی ایسی چیزیں ایجاد کی جا سکتی ہیں جو انسانیت کے فائدے کے لیے ہیں اور یہ سب سے پہلے مسلمان کا حق ہے کہ وہ کرے وہ زیادہ مستحق ہے اللہ جل شانہٗ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ انہیں کافر کی نسبت بہت زیادہ سمجھ بھی سکتا ہے اُس کے دل میں بصارت ہے صرف آنکھوں میں بصیرت نہیں ہے کافر کی آنکھوں کی بصیرت ہے جو بصیرت اُس کے پاس انسانی ہے حیوان کے پاس بھی حیوانی آنکھ ہوتی ہے۔ گرمی سردی، اپنی خوراک، جائے پناہ وہ بھی تلاش کر لیتا ہے کافر اُس سے زیادہ ترقی یافتہ ہے لیکن اُس کا دل اندھا ہے۔ اگر مومن اِس موضوع پر محنت کرے، تحقیق کرے تو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔

اس آیت کریمہ کا معنٰی یہ ہوا کہ علوم جدیدہ جنہیں ہم سائنسی علوم کہتے ہیں اس میں مسلمانوں کو کافروں کی نسبت زیادہ حصہ لینا چاہیئے اور ایسی ایجادات جو بغیر مومن و کافر کی تفریق کے انسانیت کی خدمت کریں انہیں منصۂ شہود پر لانا چاہیئے تاکہ لوگ اُن سے مستفید ہو کر اللہ کریم کی عظمت کا اقرار کریں۔

فرمایا۔ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ اُس کی سمت پر ظاہری بھی باطنی بھی نعمتیں انڈیل دی ہیں۔ اب اِن سب کا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے۔ ایک ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے۔ پانچ سو چھ سو آدمیوں کو لے کر ہزاروں میٹر کی بلندی پر اُڑتا ہے یوں سمجھ آتی ہے پورا شہر اُڑ رہا ہے اور جو سفر سالوں کے تھے وہ گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں جس سفر میں لوگوں نے سالہا سال خرچ کیے۔ بڑے بڑے نامور سیاح جہاں تک پہنچ سکے ہر کوئی نہیں پہنچ سکا وہ گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کی بے شمار ایسی ایجادات آئیں۔

ہم اس موضوع میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں، ہماری نئی آنے والی نسل بھی اس طرف توجہ نہیں کرتی ہمیں BRAIN WASH

کر دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے تو از خود کوئی نئی چیز ظاہر ہو جائے گی۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا قانونِ قدرت ہے کہ اسباب اختیار کرنا انسان کے ذمہ ہے اُن پر نتائج پیدا کرنا رب العزت کے ذمہ ہے ایک آدمی کھیت میں ہل نہیں جوتتا اُس میں بیج نہیں ڈالتا اُس کی رکھوالی نہیں کرتا اس بات پر بیٹھا ہے کہ میں مسلمان ہوں، میرے کھیت میں فصل ہو جائے گی۔ تو کیا وہ زیادتی نہیں کر رہا ہے؟

مسلمان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے جو طریقہ بنایا ہے اُسے اختیار ہی نہ کیا جائے۔ مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو نعمت وہ لے گا۔ اُس میں مزید احساس تشکر پیدا کر کے، اُسے مزید اللہ کے قریب لے جائے۔ وہ صرف اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی انعامات الٰہی کا سزاوار ہوگا۔ مسلمان ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کام نہ کیا جائے کام چھوڑ دیا جائے اور مسلمانی وہ سارے کام کرتی رہے گی۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے۔

یہی اسلوب یہاں قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ دیکھو اللہ کتنا کریم ہے۔ آسمانوں کی نعمتیں، سورج، چاند، ستارے تمہارے لیے شب و روز، موسموں کی آمد و رفت، بادل و برسات، بہار و خزاں، پھلوں کے پکنے اور بے شمار دنیوی چیزوں پر تاثرات پیدا کرنے کے لیے، وہ تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ تم اگر چاہو تو ان سے مزید خدمت لے سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم اس راز تک پہنچ جاؤ جو اُن سے خدمت لینے کا طریقہ ہے۔

اب جس طرح سولر سیل ایجاد ہو گیا یعنی پہلے تو سورج نکلتا تھا دھوپ ہوتی تھی سورج غروب ہو گیا اندھیرا ہو گیا اب وہ اس سولر بیٹری میں آ گیا چاہے اُسے ایک پورے گاؤں کو روشن کرنے کے لیے لگا دیں۔ دھوپ میں چارج ہو جائے گی۔ اور دوسرے دن سورج طلوع ہونے تک روشنی دیتی رہے گی۔ یہ ایجادات دراصل مسلمانوں کا ورثہ ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ علوم جدیدہ کافروں کی نسبت زیادہ پڑھیں یہاں ہم ایک اور دھوکہ کھاتے ہیں یا تو ہم جدید علوم کی طرف جاتے نہیں اگر جاتے ہیں تو اپنی اصل بھول جاتے ہیں۔ پھر ہم مسلمان نہیں رہتے۔ کوئی کام کرتے بھی ہیں۔ تو اُس کا فائدہ اسلام کو یا مسلمان قوم کو، دین کو نہیں ہوتا بلکہ جیسے ایک عام آدمی نے کر دیا ایسے ہی ایک مسلمان نے بھی کر دیا۔ اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قرآن حکیم کا نظریہ یہ ہے کہ ہم جس قدر کائنات کی نعمتوں سے مستفید ہوں۔ اتنے ہی جذبات تشکر میں اللہ کے قریب تر ہوتے چلے جائیں ورنہ یہاں ایک خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی جب چند چیزوں پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو اللہ کی ذات میں جھگڑے شروع کر دیتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ کیا تو میں نے ہے اللہ کیسے کرتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ : پھر لوگ ذات باری میں بحث کا باب کھول لیتے ہیں۔ جھگڑے کا باب کھول لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ کیا فلاں اور فلاں گیس کو ملایا بارش ہو گئی ہم نے فلاں اور فلاں میٹریل کو جمع کیا۔ اور آگ بھڑک اُٹھی۔ اس میں خدا کون ہے اور کہاں سے آ گیا خدا کیسے کرتا ہے ہم نے کیا تو ہو گیا۔ لیکن سمجھنا یہ چاہیے کہ ان گیسوں میں مل کر پانی بننے کی تاثیر تم نے پیدا نہیں کی۔ گیس تم نے پیدا نہیں کی۔ تم نے صرف وہ طریقہ دریافت کیا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال میں لایا جا سکتا ہے یہ تو ازل سے تمہارے لیے مسخر تھیں حق یہ ہے کہ ایسی ایجادات پر مزید شکریہ ادا کیا جائے کہ ایک نعمت تھی جسے ہم سمجھ نہیں رہے تھے بے شمار لوگ نہ سمجھ سکے خدایا تیرا شکر ہے کہ ہم نے اسے سمجھ لیا۔

ذات باری میں علم کی ضرورت ہے۔ علم کہاں سے آئے گا۔

بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔

علم ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر ذات باری میں بات نہ کرو۔ ورنہ جھگڑا ہی جھگڑا ہے ذات باری پر جب بھی بات آئے گی تو اُس کے لیے اُسی کا اپنا کلام رہنمائی کر سکے گا۔ کہ وہ کیسا ہے؟ وہ کون ہے؟ وہ کہاں ہے؟ اُس نے اپنے ارشادات سے نکل کر انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔ کہ تعین کر سکے۔ اگر انسان کر سکتا تو انبیاء کے علاوہ کوئی مفکر، کوئی سائنسدان، کوئی کیمیا دان اس موضوع پر بات کرتا۔ پوری تاریخ انسانی میں سوائے اللہ کے نبیوں اور رسولوں کے کبھی کسی انسان نے اس موضوع پر بات نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کے پاس اللہ کی کتاب ہوتی ہے۔

آدابِ زندگی

بیان حضرت شیخ المکرم ۔ ۱۲ر جون ۱۹۸۸ء
بریڈ فورڈ

۔اللہ کریم نے ہمیں اپنی رضا کے لیے اپنی یاد کے لیے ۔اپنے دین کی۔ اپنے نبی کی چند باتیں یاد کرنے۔ دھرانے و یاد کرنے اور ان سے مستفیض کرنے کی سعادت بخشی ہے۔ کیونکہ ہم ایسے ملک میں جہاں کا معاشرہ اپنی اقدار بھی کھو چکا ہے۔ اور ایک بالکل بے مہار، بے لگام اور بے راہ رو سا معاشرہ ہمارا جو وعظ ہوتا ہے یا ہماری جو عادت کے مطابق ایک اسٹائل ہوتا ہے۔ بات کرنے کا ۔اس سے ہٹ کر اگر ہم اپنی ضرورت کے بابت باتیں کرلیں تو شاید اس سے ہمیں زیادہ فائدہ پہنچنے میں مدد مل سکے۔ مجھے یہاں گزشتہ سال پہلی دفعہ حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ آپ لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں کی باتیں سنیں۔ کچھ اپنی سنائیں کچھ حالات دیکھے اور ایک سال بعد چند روز کے لیے یہاں حاضری ہوئی۔ اور میرے خیال میں اگر سال بعد ایک شخص ۳۔۴ دن یہاں رہے تو وہ کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا یا بات کو صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ مگر اس کے باوجود میں نے اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں میرے اندازے کے مطابق یہاں جو لوگ شروع شروع میں تشریف لائے۔ ان میں سے بیشتر حضرات اسی معاشرے کے رنگ میں رنگے گئے۔ کیونکہ وہ دور ہی ایسا تھا کہ انگریز بننا ہی بہت بڑی سعادت سمجھا جاتا تھا اور برصغیر پہ ہی نہیں بلکہ دنیا کے بیشتر حصوں پہ انگریزوں کا تسلط تھا، حکمرانی تھی۔ ان کے بعد جو لوگ آئے اور انگریزی اقتدار کا سورج بھی آہستہ آہستہ اپنی کرنیں سمیٹتا ہوا گھر کی طرف بڑھا۔ تو لوگوں پر وہ رعب کچھ کم ہوا۔ ان حضرات نے میں آپ حضرات کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔ جو اس درجہ مرعوب نہیں ہوئے جو آپ سے پہلے آنے والے حضرات مرعوب ہوئے تھے۔ جس کے نتیجے میں آپ کی مساجد، آپ کی نمازیں، آپ کا باریش ہونا۔ آپ کا دین کی طرف مائل ہونا اور آپ کا کچھ نہ کچھ دینی اقتدار کو قائم رکھنا۔ یہ اس بات کی دلالت ہے کہ آپ اس قدر مرعوب نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ نے اپنا اسلامی تشخص بھی ساتھ رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن شاید یہ انگریز کی ضرورت تھی۔ کہ اس نے آپ کی مزید مدد یا جسے فوجی اصطلاح میں "کمک" کہتے ہیں۔ وہ روک دی۔ وہ افراد جو یہاں پیدا ہوئے۔ وہ بچے جنہوں نے یہاں آنکھیں کھولیں۔ یہاں کی فضاؤں میں سانس لیا، یہاں کا دودھ پیا۔ یہاں کے اسکولوں میں گئے۔ اس ماحول میں پلے بڑھے۔ یہاں کی غذا کھائی اور یہاں کے اسکولوں میں تعلیم پائی ہے۔ ان تک اگر کوئی اسلام یا اسلامی تاریخ کا کوئی پہلو پہنچا تو وہ بھی انگریزی رنگ میں رنگ کر پہنچا اور جس طرح مستشرقین نے اسے پہچاننا چاہا۔ یعنی ایسی عینک کے ذریعہ دکھایا وہ رنگ جو وہ دکھانا چاہتے تھے، وہ رنگ اس پہ غالب آیا۔

جو لوگ یہاں رہتے ہیں، ان کی زندگی ایسی ہے کہ کوئی شخص فارغ رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ ایک ایسا نظام ہے کہ یہاں ہر آدمی کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے اپنے آرام کے لیے بھی کم وقت بچتا ہے۔ کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ گھر میں اسکول بنالیتا۔ یا بچوں کو پڑھا سکتا۔ یا وہ خود ان کی مدد کر سکتا۔ کہ ان کی رہنمائی کر سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک مصیبت اس

معاشرہ کی یہ دیکھیں کہ جہاں جہاں بھی برصغیر کے لوگ تھے ، وہاں مسلسل لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا ۔ اگر کسی کے تین بچے یہاں ہوتے تھے تو وہ تین بچوں کی شادی وہاں کر دیتا تھا ۔ تو ان پہ اس معاشرہ کے اثرات ۵۰٪ کم ہو جاتے تھے ۔ کچھ وہاں گھل مل جاتے تھے ۔ کوئی بہو وہاں سے لے آتا تھا ، کوئی بیٹی کی شادی وہاں کر لیتے تھے اور داماد کو یہاں ملازمت دلوا دیتے تھے ۔ تو کچھ اس طرح سے معاشرہ کچھ دیر لڑکھڑاتا تھا ۔ لیکن اب ان لوگوں نے وہ راستہ بند کر دیا ۔ یہ شاید ان لوگوں کی بھی ضرورت بن گیا ہے کہ اس طرح سے انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ بہت عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں گے ۔ اس راستے کے بند کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہاں جو خصوصاً مسلمانوں کے متعلق ہے ۔ میں تھوڑے سے وقت میں سمجھ سکا ہوں ۔ یہ ممکن ہے مجھے غلطی لگی ہو ۔ ہو سکتا ہے آپ مجھ سے اتفاق نہ کریں ۔ میرا تجزیہ زیادہ صحیح نہ ہو ۔ لیکن جو میں سمجھ سکا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ ایک تو وہ بزرگ ہیں ۔ جن کے بارے میں میں نے بات پہلے کی ۔ ان کے بارے میں بات کرنا فضول ہے ۔ کیونکہ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکے ہیں کہ جہاں سے نہ ہم انہیں واپس لا سکتے ہیں ۔ نہ ہم انہیں نصیحت کر سکتے ہیں ۔ نہ انہیں سمجھا سکتے ہیں ۔ کیونکہ وہ عمر کا وہ حصہ ہوتا ہے ، جہاں آدمی نصیحت قبول نہیں کرتا ۔ بلکہ ہر وقت خود نصیحت کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے ۔ تو ان کے ساتھ نہایت ادب کے ساتھ وقت ہی گزارہ جا سکتا ہے ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ دوسرا طبقہ آپ حضرات کا ہے جو ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے ۔ جنکی مدد یا کمک تو روک دی گئی ہے اور جو نسل آپ کی گود میں پرورش پا رہی ہے ۔ بجا طور پہ آپ کی اولاد ہے آپ کی پود ہے ۔ آپ کے بیٹے ہیں ۔ لیکن میرے خیال میں ۔ آپ کے بیٹے کم ہیں ۔ اور اس معاشرہ کے بیٹے زیادہ ہیں ۔ اس لیے کہ یہ جو خون کا اور نسل کا رشتہ ہوتا ہے ۔ اس کی اپنی ایک حیثیت ضرور ہے ۔ لیکن انسان مائل اس رشتہ کی طرف ہوتا ہے ۔ جس ماحول میں اس کا مزاج بنتا ہے ۔ اس کا ضمیر بنتا ہے ۔ اس کی سوچ پروان چڑھتی ہے اور جس قالب میں اس کو ڈھالا جاتا ہے ۔ ان رشتوں پہ وہ خونی رشتوں کو قربان کر دیتا ہے ۔

یہ ایک اصول ہے انسانی مزاج کا اور انسانی فطرت کا ۔ ہمارا اولاد کے ساتھ خون کا رشتہ ضرور ہے ۔ لیکن اس کے بعد ہم اس سے زیادہ سوائے خونی رشتہ کے جب ہم ان کو کچھ دے نہیں سکتے ۔

انہوں نے مزاج ، تربیت ، معلومات سب کچھ ۔ ایک خاص معاشرہ سے پایا ہے ۔ تو اگر بہت Resist کریں گے تو شاید ایک جنریشن بچ جائے گی ۔ لیکن شاید اس سے اگلی جنریشن میں طاقت نہ ہو ۔ اور وہ اس معاشرہ کا ایک حصہ سا بن جائے ۔ عین ممکن ہے کہ وہ کئی نسلوں تک اپنا نام محمد بشیر ، محمد سلیم ، محمد احمد وغیرہ رکھتے چلے جائیں ۔ لیکن صرف نام رہ جائیں گے ۔ باقی سب کچھ وہی ہو گا میں نے جو کچھ دیکھا یا جو کچھ میں نے ASSESS کیا ہے ۔ میں یہ سمجھ پایا ہوں کہ اب یہاں والدین کے دل میں بھی یہی سوال ہے لیکن اتفاق سے جب آدمی ایک غلطی کرتا ہے تو اس ایک غلطی کو ، ایک خلا کو پر کرنے کے لیے مسلسل غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے ۔ یا تو ایک ہی غلطی پہ سنبھل جاتا ہے ۔ تو بڑی بات ہے ۔ اللہ کا بڑا شکر ہے ۔ اصلاح ہو جاتی ہے ۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہاں ایک

اس خلا کو پر کرنے کیلئے والدین نے یا آپ حضرات نے ایک کوشش ضرور کی ۔ کہ آپ میں وہ طبقہ جو دین کی دعویٰ رکھنے والے ہیں یا جو اپنے آپ کو دین کا محافظ یا خادم یا کسی بھی نام سے اپنے آپ کو دین سے منسلک رکھتے ہیں ۔ یہ آپ کی قابل قدر کوشش ہے کہ آپ نے بے شمار علماء کو اس امید پہ مسلسل دعوتیں دیں ۔ ان کے آنے سے شاید کچھ حالات سدھر جائیں ۔ کچھ لوگ سدھر جائیں کچھ لوگ سنبھل جائیں ۔ اور ہماری رفتار میں کچھ مثبت اور کچھ فائدہ مند اثرات مرتب ہوں لیکن میرے خیال میں اگر آپ گستاخی معاف کریں ، ناراض نہ ہوں ، تو یہ دوسری غلطی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کو DISCUSS کئے بغیر اس بات کی تحقیق کئے بغیر ہم نے اس آدمی کو جس کے ساتھ مولوی لکھا جاتا ہے یا جس کو لوگ پیر کہتے ہیں ۔ دعوت دیدی ۔ ہمارے پاس کسی کے مولوی ہونے کی یہ سند تھی کہ لوگ اس کو مولوی کہتے ہیں ۔ یا کسی کے پیر ہونے کی سند یہ تھی کہ لوگ اس کو پیر کہتے ہیں اس کے علاوہ ہمارے پاس نہ کوئی معیار تھا اور نہ ہم نے آپ نے یہ جاننے کی کوشش ہی کی کہ آخر یہ مولوی یہ پیر ہوتا کیا ہے ۔ اس کا فنکشن کیا ہے ؟ اس سے ہم نے لینا کیا ہے ۔ یہ ہماری سپورٹ کرے گا کیا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن سے آپ دین کے طالب تھے وہ آپ سے دنیا کے طالب نکلے ۔ آپ کی تمنا پھر بلند تھی ۔ ان کی خواہشات آپ سے بھی کم تر نکلی ۔ آپ کے خیالات پھر بھی بلند تھے

اس کافر معاشرہ میں رہتے ہوئے لیکن ایک اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے ان کی خواہشات اور آرزوئیں آپ سے کہیں کم تر نکلیں۔ اب آپ کا کام ہوا یا نہ ہوا۔ وہ اپنا مسئلہ حل کر کے چلے گئے۔ اس کے لیے انہیں کیا کچھ کرنا پڑا۔ اس کے لیے انہوں نے آنے والی نسل کو خدا حافظ کہا۔ کیونکہ نہ وہ اس نسل کو سمجھ سکتے تھے اور نہ وہ نسل ان کی بات سننے کے لیے تیار تھی۔ ان کا STYLE ان کا بات کرنے کا انداز، ان کا سوچنے کا انداز یا ان کے سمجھنے کا انداز اور آپ کی جو نئی جنریشن ہے۔ ان میں اتنا گیپ ہے کہ نہ مولوی اور پیر اسے معاف کرنے کو تیار ہے اور نہ وہ اسے برداشت کرنے کو تیار ہے۔ لیکن آپ لوگ جو خیریت سے زندہ رہ رہے تھے۔ آپ ان کی لپیٹ میں آگئے۔ اور جو لوگ مل کر نماز پڑھتے تھے، وہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔ جو مل بیٹھ کر ایک دوسرے کا غم بانٹتے تھے وہ ایک دوسرے کی داڑھیاں نوچنے لگے۔ جو ایک دوسرے سے مشورہ کرتے تھے کسی تکلیف کا حل سوچتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کا سر پھاڑنے لگے اور ایک نئی مصیبت درمیان میں آگئی۔ اب آپ اس کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ ایک پارٹی پھر درآمد کرتی ہے ایک خاص اسٹائل کے آدمیوں کو۔ وہ اسے سلان پہ لگا کر چلے جاتے ہیں، پھر دوسرے ان کے مقابلے میں دوسرے کو بلا لیتے ہیں۔ وہ انہیں الاشیری دیکھ چلے جاتے ہیں۔ وہ بات تو گئی اب۔ نئی جنریشن کا کیا ہوگا۔ ان کا کیا ہوگا۔ بچے کیا سوچتے ہیں نتیجہ جانے دیں۔ انہیں جانے دیں۔ ایک نیا تماشہ بن گیا۔ ایک عجیب صورت حال بن گئی اب مساجد میں اور اسلام کا ایک اصول ہے۔

مسجد اللہ کی ہے۔

اس پر کسی کا قبضہ نہیں ہے۔ میرا آپ کا دیوبندی کا، بریلوی کا۔ مسجد اللہ کی ہے۔ لیکن اب آپ کے شہروں میں اللہ کی مسجد تلاش کرنی پڑے تو کم ملتی ہے۔ افراد کی، مختلف مکاتب فکر کی مساجد ملتی ہیں۔ لیکن کسی مسجد میں یہ تلاش کرنا پڑے کہ یہ اللہ کی مسجد ہے اور اللہ کی عبادت یہاں بلا خوف و خطر کرنی پڑے تو میرے اندازے کے مطابق بہت کم ہو گی۔ میں غلط بھی کہہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ میرا اندازہ ہے۔ لیکن جو میں نے ان دنوں میں دیکھا ہے بہت کم ہو گا۔ یعنی آپ نے ایک نیا محاذ کھول لیا ہے۔ جس بات کو آپ سلجھانے چلے تھے۔ وہ اپنی جگہ رہ گئی اور ایک نئی الجھن جس میں آپ کا اپنا وقت۔ آپ کے اپنے جو تھے۔ اپنی قوت آپ کی انرجی ایک نئے محاذ پر ضائع ہونا شروع ہو گئی۔ میرے اپنے ناقص خیال کے مطابق آپکے آج کے مسائل جنہیں میں سمجھ سکا ہوں۔ وہ یہ ہیں۔

مسائل کو DISCUSS کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ اسکا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ اس کا کوئی باہر نکلنے کا راستہ تلاش کیا جائے۔ اس سے دریافت کیا جائے۔ کیسے اس سے نکلا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس کا بڑا آسان ساحل ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں سمجھنا یہ چاہیے۔ اسلام کیا ہے۔ جس کے لیے ہم لڑ رہے ہیں۔ سب سے پہلے ہم طے کریں اسلام کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنا تعارف اپنی شناخت یوں کراتے ہیں۔ جو اللہ وہ ہے

جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ اس سے یہاں یہ پتہ چلا کہ اللہ جل شانہٗ کے متعلق کوئی تصور کوئی عقیدہ، کوئی نظریہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہو یعنی رب جلیل نے اپنی شناخت یہ ارشاد فرمائی کہ اللہ کیسا ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ اللہ کا حساب کیا ہے؟ اس کی ذات کیا ہے؟ وہ کیا سنتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ ہمیں اس سے کیا مل سکتا ہے؟ ہمیں اس کی کسطرح اطاعت کرنی چاہیے؟ ہمارا اس کا کیا تعلق ہے؟ کیا ہو گا، کیا نہیں ہو گا؟ جو کچھ بھی آپ اللہ جل شانہٗ سے منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے رب کریم نے ایک اتھارٹی مقرر کر دی ہے۔ اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بات طے ہو گئی کہ ہمیں ذات باری کی ذات کی صفات اور اس کے ساتھ تعلقات کے لیے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پہ جانا ہو گا۔ وہاں جا کر کیا ہو گا۔ خلاف مزاج انسانی، خلاف فطرت خلاف حکمت، خلاف عقل اگر کوئی بات ہو تو ہم نہ سمجھ سکیں نہ کر سکیں تو وہاں جا کر ہمیں کیا ملے گا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، یہاں کرنے کی بات نہیں بلکہ اللہ ایسا کریم ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔ بالہدیٰ، ہدیٰ عربی میں کہتے ہیں۔ کسی بھی کام کرنے کا صحیح ترین طریقہ، صحیح ترین انداز تو اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں زندگی گزارنے کا صحیح ترین انداز جو ہے وہ نبی تمہیں تعلیم فرماتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ

کسی بھی کام کے کرنے کا جو صحیح طریقہ ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ آسان ترین ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی کام کو دوسرے طریقے سے کرنا چاہیں جو صحیح نہیں تو وہ طریقے مشکل ہوتے ہیں اور صحیح طریقہ آسان ہوتا ہے۔

تو اسلام کیا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ انسانی زندگی کو گزارنے کا آسان ترین طریقہ اسلام ہے جو میرا نبی تعلیم فرماتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہی زندگی گزارنے کا طریقہ مثلاً کمانا کھانا، خرچ کرنا، سونا، جاگنا، دوستی، دشمنی۔ یہاں بھی ہم نے ایک ٹھوکر کھائی۔ ہم نے سمجھ لیا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہی اسلام ہے اور باقی بات ختم۔ نہیں یہ اسلام نہیں ہے۔ یہ اسلام کا ایک شعبہ ہے کہ آپ کا ذاتی کوئی لمحہ اپنے پروردگار کے ساتھ بھی گزرے۔ کوئی ایسا بھی وقت ہو۔ جب آپ اپنے اللہ نہیں ہے۔ —— اسے چھوڑ دو، پھر کیا ضرورت ہے اس کے لیے تڑپنے کی کہ جس سے بہتر راستہ ہم نے دریافت کر لیا ہے۔ پھر تو ہمارا مسئلہ ہی نہیں ہے اور اگر یہ بات درست نہیں ہے۔ بلکہ درست یہ ہے کہ جو حضورؐ فرماتے ہیں۔ وہی حق ہے۔ تو پھر ہمارا دماغ خراب ہے کہ ہم ایک بہترین راستے کو چھوڑ کر تکلیف دہ راستہ پر خود چلیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم بجائے اس کے مولوی یا پیر کو IMPORT کریں خود اپنے آپ کو واپس لائیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پہ اور اپنا ذاتی تعلق اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ درست کر لیں۔ سیدھا کر لیں۔ استوار کر لیں۔ اور خود اس بات پہ جم جائیں کہ میں اللہ تیرا بندہ ہوں۔ تیرا امتی ہوں۔ کمزور ہوں معاشرہ سخت ہے۔ لیکن تو تو کمزور نہیں ہے۔ میں کمزور ہوں معاشرہ میرے لیے سخت ہے۔ خدایا تیرے لیے ہیں۔ تو نے تو مکہ کے صحرا نشینوں کے لیے روئے زمین کے معاشروں کو مسخر کر دیا تھا۔ اس معاشرہ میں تو کوئی جان نہیں۔ خدا کی قسم اس معاشرہ کی اقدار ختم ہو چکی ہیں۔ یہ عیسائی ہو کر گھٹنے ٹیک کر کھا رہے ہیں۔ ان میں کہاں جان ہے بھئی! اس میں صرف فحاشی ہے۔ بے حیائی ہے۔ رنگینی ہے۔ بے راہ روی ہے۔ اس میں معاشرہ کی اقدار ختم ہو چکی ہیں۔ معاشرہ وہ سخت ہوتا ہے۔ جس میں اپنی اقدار اور حدود ہوتی ہیں۔ جیسے مشرکین مکہ کا معاشرہ تھا۔ یہود مدینہ کا ایک معاشرہ تھا۔ نصاریٰ عرب کا ایک معاشرہ تھا۔ ان کی حدود تھیں۔ ان کے قوانین تھے۔ حدود تھیں جن سے باہر وہ کسی کو نکلنے نہیں دیتے تھے۔ ان کا تو کچھ رہا ہی نہیں۔ یہ تو اپنے آپ کو بھی بیچ کر کھا چکے ہیں۔ ان میں تو کوئی جان ہی نہیں ہے۔ انہیں تو ڈرنا چاہیے تھا۔ اس بات سے کہ یہ چھوٹا سا جزیرہ ہے اور اس پہ کم وبیش ۲۰ لاکھ مسلمان ہے۔ تو ڈرنا تو انگریز کو چاہیے تھا کہ برطانیہ تو اسلامی ریاست میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ تو سب کو مسلمان بنا لیں گے۔ اس کا مطلب ہے ۲۰ لاکھ پیروکار ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ۲۰ لاکھ قرآن اور سنت پہ عمل کرنے والے انسان ہیں۔ ۲۰ لاکھ آدمیوں کے ساتھ خدائی طاقت ہے۔ تو یہاں جو فری اسٹائل رہ رہے ہیں یہ ان کے سامنے کتنے دن ٹھہریں گے۔ ڈرنا تو انہیں چاہیے تھا کہ یہ ریاست کو سجدہ کر لیں۔ صرف اللہ کی ذات سے مخاطب ہوں۔ صرف اللہ کے روبرو اپنی درخواست پیش کر رہے ہوں۔ ورنہ اسلام ہے۔ ہوش سنبھالنے سے لیکر جان جان آفریں کے سامنے سپرد کرنے تک۔ جو بھی ہماری ضرورتیں ہیں۔ ان کو ہم نے کس طرح پورا کرنا ہے اگر اس کی تعلیم ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہے تو یہ اسلام ہے۔ حضورؐ جو طریقہ تعلیم فرماتے ہیں وہ روئے زمین کے طریقوں سے آسان اور سہل ہے۔ مزے کی بات یہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے میں نے اسی کو تمہارا مذہب قرار دے دیا۔ اللہ فرماتا ہے "دین الحق"۔ یعنی زندگی گزارنے کا جو اسلوب ہے وہی دین الحق ہے۔ اس کے علاوہ میں نے زندگی گزارنے کا کوئی اور بوجھ نہیں ڈالا۔ زندگی گزارنے کے لیے کوئی مزید پابندی ہو۔ اگر یہ اسلام ہے۔ اور ہم اپنی زندگی گزارتے میں حضورؐ کی اطاعت نہیں کرتے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اسلامی زندگی اختیار کریں تو کیا یہ "دیوانے کا خواب نہیں ہے"؟ جس چیز کو ہم اپناتے نہیں ہیں۔ ہم آپ اپنے لیے مفید نہیں سمجھتے۔ ہم اپنے وجود پہ مسلط نہیں کرتے۔ اپنے ارادوں میں جس کو جگہ نہیں دیتے۔ خود اسے تسلیم نہیں کرتے۔ تو کیسے یہ ہم امید رکھتے ہیں کہ گھر میں ہمارا بچہ اسے قبول کر لے گا۔ ہم سے سیکھ لے گا ہمارے کہنے پہ۔ مسجد کے سامنے بچے کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔ اور کہتے جاؤ، جا کر نماز پڑھ لو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ کیا بے معنی بات ہے۔ یعنی بچہ اگر یہ سیکھے گا کہ یہ فالتو کام ہے۔ میں فارغ ہوں اس لیے میں

کرلوں۔ ابو فارغ نہیں۔ وہ نہ کریں۔ کل جب اس کو کام ہو
گا وہ بھی نہیں کرے گا۔ وہ فارغ نہیں ہوگا۔ تو وہ بھی یہ کام
نہیں کرے گا کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ اسی طرح
اگر ہمیں [illegible] انداز زندگی ہے۔ اگر ہم اپنے ساتھ
اور اپنی اولادوں کے ساتھ مخلص ہیں اور سچے ہیں اور
ان کے ساتھ دھوکہ نہیں کرنا چاہیئے تو سب سے پہلی بات
یہ ہے کہ ہمیں خود حضورؐ کے دروازے پہ آنا ہوگا، یا ہم یہ فیصلہ
کریں کہ حضور جو کچھ سکھاتے ہیں، وہ ناقابل یقین ہے ناقابل
عمل ہے۔ یا اس کے علاوہ جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ
اس سے بہتر راستہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسلام ہمارا پرابلم ہی
ایک اسلامی ریاست بن جاتی گی۔ لیکن وہ بغلیں بجا رہے ہیں کہ
آئندہ ۲۰ سالوں میں ہم انہیں ہضم کرلیں گے۔ اور ڈر مسلمان
رہا ہے۔ واقعی کہ میں ختم ہو جاؤں گا۔ تو اس کا پہلا علاج یہ ہے
کہ ہم اپنے آپ کو واپس لے آئیں۔ اگر خود کو واپس نہیں لاسکتے تو
یہ غیر ملکی امداد ہمارے کسی کام نہیں آسکتی۔

وہ فوج ہرگز نہیں لڑسکتی۔ سارے دنیا کا اسلحہ بارود
لاد دو، وہ اس سے دشمن چھین لے گا۔ وہ اس کے کسی کام نہیں آئیگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولوی اور پیر کا ایک بڑا مقام ہے
اسلام میں۔ بہت قابل احترام، قابل عزت۔ اس کی تعظیم ہونی
چاہیئے۔ یاد رہے کہ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں ہم مولوی اس
مسلمان کو کہتے ہیں جس نے ضروریات زندگی سے زیادہ تحقیقی علم
حاصل کیا ہو۔ ایک علم ہے۔ HOW TO LIVE,
WHAT TO DO AND HOW TO DO?

کھانا کیا ہے، پینا کیا ہے، دکان پہ کیسے جانا ہے؟ بازار میں
کیسے جانا ہے، بات کرنے کے آداب کیا ہیں؟ ماں باپ کو کیسے
TREAT کرنا، بیوی بچوں سے کیسے ڈیل کرنا ہے، یہ جو روزمرہ کی
ضروریات ہیں۔ ان کا سیکھنا فرائض کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے
سنن کا سیکھنا سنت ہے، واجبات کا سیکھنا واجب ہے۔ یہ تو
مسلمان ہونے کی مجبوری ہے۔ اب اس سے زیادہ اگر کوئی شخص
وقت لگا کر تحقیقی علم حاصل کرتا ہے تو وہ مولوی کہلاتا ہے۔ اب
اس کا مقام یہ ہے کہ جہاں ہمیں کسی تحقیق کی ضرورت پڑے۔ وہاں
وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی صاف اور نکھری ہوئی بات ہمیں
پہنچادے۔ اور رسول اللہ کے ارشادات کی ایک پہچان ہے۔
اللہ کریم نے آپ کے معجزات میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے اہل علم
تم سب ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے تھے۔
بعثت نبوی نے
تمہارے دلوں کو محبتوں سے سیراب کر دیا۔ اور دوسری صبح سے
تم ایک دوسرے پہ جانیں نچھاور کرنے لگے۔ یعنی علوم نبوت
کی بنیادی نشانی یہ ہے کہ آپ میں محبتیں آئیں گی۔ نفرتیں نہیں
آئیں گی۔ جو بات حضور نبی اکرمؐ سے آئے گی وہ آپ کو شفقتیں دیگی
محبتیں دے گی۔ رحمتیں دے گی، نفرتیں نہیں دے گی۔ اگر کوئی
شخص اس راستے سے ہٹتا ہے تو اسے ہم کوئی سمجھ کر قبول کریں
گے۔ تو یہ اپنے ساتھ زیادتی ہے کہ جیسے زہر کو اگر کوئی مٹھائی سمجھ
کر کھاتا ہے۔ دوسرا ادارہ ہے INSTITUTION ہے
یہ پیر مولوی سے کروڑوں گنا زیادہ محترم ہوتا ہے۔ اور یہ ایک
باقاعدہ ادارہ ہے۔ اسلام کا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے
صرف الفاظ نہیں منتقل فرمائے۔ بلکہ جہاں آپ نے تعلیمات
ارشاد فرمائیں وہاں برکات بھی بانٹیں ہیں۔ اور جو قلوب حضور
کی مجلس میں پہنچے وہ "نور علی نور" ہو گئے۔ اور ایک نگاہ میں آنیوالا
صحابی بن گیا۔ یعنی ایک آدمی عام سطح سے اٹھ کر انسانی عظمت
کی ان بلندیوں تک پہنچا جو نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ترین
مقام ہے۔ یہ تھا حضور کی مجلس کا، آپ کی صحبت کا فیض۔ آپ
کی "برکات"۔

صحابی کے پاس جو پہنچے وہ "تابعی" بنے۔ "تبع تابعین" بنے۔
اسی طرح کسی نے تفسیر میں تحقیق کی۔ کسی نے فقہ میں۔ فقیہ کہلایا۔
حدیث میں تحقیق کی محدث کہلایا۔ بعض لوگوں نے یہ علوم فقہ،
حدیث، تفسیر۔ ان میں تحقیقی درجہ حاصل کرنے کے بعد اہل اللہ
کی مجالس میں عمریں صرف کر کے وہ قلبی کیفیات حاصل کیں۔ جو
اللہ کا قرب اور اللہ کی تجلیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی برکات کا نام ہے۔ جن کے سینوں میں وہ نورانیت بھی آگئی
ہے۔ اس علم کے ساتھ وہ "پیر" کہلائے۔ اور ہمیں اسکی ضرورت
اس لیے پڑ گئی کہ عالم نے انہیں بات بتائی۔ لیکن پیر نے بات بھی
بتائی اور اس کے ساتھ جذبہ بھی عنایت کیا۔ کام کرنے کی جرأت
بھی دی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم وہاں بھی دھوکہ کھا گئے۔ اور
جو لوگ خود عملی زندگی سے محروم ہیں ہم انہیں پیر سمجھ بیٹھے یہ عجیب

بات ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو بھی سنبھال نہیں سکے وہ دوسرے کا بوجھ کب اٹھائے گا۔ حق تو یہ تھا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا تھا کہ آپؐ یا رسول اللہ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔ اور پھر صحابہ کا دور ختم ہو جائے گا تو یہ بعد میں آنیوالے کیسے تلاش کریں گے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ یہ نیک آدمی ہے۔ یہ ولی اللہ ہے۔ یا جسے آج کی زبان میں آپ پیر کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے پاس چند لمحے بیٹھنے سے خدا یاد آجائے۔ بیٹھا تو بندہ کے پاس ہے لیکن دل میں اللہ کی یاد آجائے۔ اس لیے محترم تھے یہ دونوں ادارے کہ مولوی امین تھا۔ تعلیمات نبوی کا۔ اور پیر امین تھا۔ تعلیمات نبوی کا بھی اور برکات نبوی کا بھی۔ اگر تو ہم باقاعدہ یہ چیزیں دیکھ کر پہچان کر۔ اگر اس پائے کے لوگ ہمیں ملتے تو ان کے قدموں میں آنکھیں بچھاتے تو بھی کم تھا۔ لیکن محض اس نام پہ ہر کس و ناکس کے پیچھے دوڑنا تو اپنے آپ کے ساتھ زیادتی تھی۔ جو ہم کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ہاں بھی ایک رواج بن چکا ہے۔ نہ صرف ان اداروں میں بلکہ سیاست میں بھی یہ رواج بن گیا ہے۔ بھٹو صاحب جب تھے تو بے نظیر کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ جس رات وہ فوت ہوئے صبح بے نظیر لیڈر بن گئی۔

ہمارے مولانا مفتی محمود مرحوم جب تک زندہ تھے تو مولانا فضل الرحمٰن کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ہم خود بھی نہیں جانتے تھے۔ جب مفتی صاحب کا انتقال ہوا، فضل الرحمٰن صاحب لیڈر بن گئے۔ اسی طرح ہمارے ہاں ایک رواج چل نکلا ہے موروثیت کا اسی طرح ایک خطرناک مرض پیری مریدی میں بھی مسلط ہے۔ کہ رات تک بندہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ رات کو والد بزرگوار کی آنکھیں بند ہوئیں صبح وہ پیر بن گیا۔ یارا یہ ایک ادارہ ہے۔ ایک INSTITUTION ہے۔ اس کے لیے علم حاصل کرنا پڑتا ہے اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لیے سیکھنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے وہ دل جذبات حاصل کرنے پڑتے ہیں۔ اس کیلئے عمر صرف کرنا پڑتی ہے۔ یہ اس طرح کیسے ہو جاتا ہے؟ ان سارے حقائق کو مدنظر رکھ کر اگر اس بات پہ لوگ ملیں تو اللہ کا احسان ہے۔ اور اگر نہ ملے تو اسلام صرف مولوی اور صرف پیر کا نہیں۔ میرا اور آپ کا بھی اتنا ہی ہے۔ اللہ اور رسولؐ کے ساتھ میرا اور آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے۔ سب سے پہلے ہم خود تو واپس پہنچیں وہاں۔ چونکہ اللہ کا بھی ایک وعدہ ہے۔

فرمایا: "........ جس کے دل میں عنایت یعنی خلوص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا ذرہ پیدا ہو جائے"۔ اللہ فرماتا ہے "اس کا اہتمام میں خود کر دیتا ہوں"۔ لیکن ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ میں جہاں ہوں مجھے کوئی DISTURB نہ کرے۔ لیکن ان آنے والوں کی اصلاح کرے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ہمیں DISTURB ہونا پڑے گا۔ اگر ہم کسی دوسرے کو بدلنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے ہمیں اپنے آپ میں تبدیلی لانا پڑے گی۔ ہمیں خود دین سیکھنا ہوگا۔ ہمیں خود کو مسلمان ثابت کرنا پڑے گا۔ ہمیں خود اپنے تعلقات رب العالمین سے مضبوط کرتے ہوں گے۔ ہمیں خود اپنی وفا اپنی عملی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کرنا ہوگی۔ صرف کہہ دینے سے کوئی آدمی یہ مانتا ہے کہ میں نے کھانا کھالیا، کھائے بغیر وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اسی طرح ساری عمر کوئی کہتا رہے کہ میں حضورؐ کا غلام ہوں۔ حضور کا غلام ہوں۔ اور آپ کی اطاعت نہ کرے ہم امید یہ رکھتے ہیں کہ ہم پہ کرم وہ ہو جو صحابہ کرام پہ تھا۔ اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم حضور کے غلام ہیں اور کرتے کچھ نہیں۔ تو اس مرض کا سب سے بہترین علاج یہ ہے۔ سب سے آسان علاج یہ ہے کہ یہ ہماری ضرورت ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو لیکر اللہ کی بارگاہ میں واپس آجائیں۔ اور اس بات کے لیے میرے خیال میں ہمیں ایک دوسرے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے فائدے کے لیے جانا ہے۔ دوسرے نے اپنے فائدہ کے لیے جانا ہے۔ وہ ایسی بارگاہ ہے وہاں جو پہنچے گا اس کی بات تو سنور جائے گی۔ جو نہیں جائے گا۔ اس کی اپنی بگڑے گی۔ دوسرے کا کچھ نہیں جائے گا۔ بڑی سہل سی بات ہے۔ اس میں کوئی ناراض ہونے والی بات نہیں ہے۔ بڑی سیدھی سی، سادہ سی بات ہے۔ ہمارا اصل پرابلم یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو چھوڑ کر دوسروں کی بات کرتے ہیں۔ لیکن اسلام دوسروں سے پہلے اپنے آپ کو DISCUSS کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ کہ پہلے اپنی خبر لو۔ اپنا معاملہ درست کر لو۔ اپنے آپ کو لے کر وہاں پہنچو۔ اور بڑی شفقت ہے رب جلیل کی۔ اب ہم یہاں آئے ہیں، آتے وقت اتنا سفر کر کے واپس جاتے وقت بھی اتنا سفر کرنا پڑے گا۔ اتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ اتنا ہی

وقت لگے گا۔ لیکن اللہ کی بارگاہ سے کوئی کتنا ہی دور کیوں نہ چلا گیا ہو۔ وہاں سے واپس آنا چاہیئے۔ اور کہہ دے کہ اے اللہ میں واپس آنا چاہتا ہوں۔ تو اللہ فرماتے ہیں۔ میں ایک پل میں وصول کر لیتا ہوں۔ یعنی اگر ۱۰ سال آدمی گناہ کرتا رہا ہے تو واپسی کے لیے اس کو ۱۰ سال نہیں چاہئیں۔ ایک لمحہ میں وہ واپس پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ تجزیہ کر کے خود اپنے ذات سے یہ فیصلہ کر کے کہ مجھے یہ کرنا ہے اور اگر اپنے اندر خود یہ فیصلہ نہ کرے تو خارجی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ یا سنوار نہیں سکتے۔

یہ تھے وہ چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ جو ان چند دنوں میں میں سمجھ سکا یا جس معاملہ میں آپ کو کوئی مشورہ دینے کے قابل ہو سکا۔ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ میرا تجزیہ صحیح ہے یا نہیں یہ دعویٰ رکھتا ہوں کہ جو راستہ میں نے بتایا ہے وہ صحیح ہے۔ یہ آپکی پسند پہ ہے۔ آپ کی اپنی ضرورتیں ہیں۔ یہ آپ کی صوابدید پر ہے لیکن میں آپ کو دعوت فکر ضرور دوں گا کہ آپ کبھی کسی لمحہ تنہائی میں بیٹھ کر۔ ان باتوں پر ضرور غور فرمائیں۔ آپ اپنا ذاتی تجزیہ ضرور کیجیے۔ آپ کو پسند آئے۔ تو آپ کو بڑی محتاجی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ آپ کا بھی اتنا ہے۔ اس کا دروازہ ہر آن کھلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کا اتنا ہی تعلق ہے۔ آپ کی بارگاہ کھلی ہے۔ کوئی وفا کر کے دیکھے۔ بات سادہ سی یہ ہے کہ کوئی وفا کر کے دیکھے۔

درود شریف اور استغفار

حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ درود شریف کو کثرت سے پڑھوں یا استغفار کو۔ انہوں نے جواب دیا کہ استغفار بمنزلہ جھاڑو کے ہے۔ یعنی اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور درود شریف کی مثال عطر کی ہے۔ جھاڑو دینے کے بعد اگر عطر چھڑکا جائے تو نور اعلیٰ نور ہو جاتا ہے اگر غلاظت کے ڈھیر پڑے ہوں۔ آپ پر چاہے جتنی عطر کی شیشیاں چھڑک دو۔ لیکن خوشبو نہیں آئے گی۔

لا الٰہ الا اللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔ اس سے گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی۔ اور قرب خداوندی حاصل ہوگا۔ درود شریف بھی کثرت سے پڑھا کرو۔ اس کی برکت سے رزق کی فراخی حاصل ہوگی۔ اور مصائب میں کمی واقع ہوگی۔ روزانہ کم از کم ایک ایک تسبیح درود شریف، استغفار اور لا الٰہ الا اللہ کی پڑھا کرو۔ ہر نماز کے بعد سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھا کرو۔ سوتے وقت تسبیح فاتحہ پڑھا کرو۔ اس سے بھی رزق کی فراخی حاصل ہوگی۔ نماز سب عبادات کا سر ہے۔ خود بھی نماز باجماعت ادا کرو اور گھر والوں کو بھی نماز کی پابندی کراؤ۔ زندگی کو غنیمت جانو۔ قضا شدہ نمازوں کو لوٹاؤ۔ معاملات کی اصلاح کرو۔ میں رواجی قسم کا پیر نہیں ہوں۔ اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کا کیسے اٹھاؤں گا؟

حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

برکات نبوت

حضرت مولانا محمد اکرم

قرآن حکیم اللہ جل شانہ کی وہ آخری کتاب ہے جو اللہ جل شانہ کا آخری رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نوع انسانی میں سے آخری امت کے لئے لیکر مبعوث ہوا یعنی قرآن آخری کتاب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم آخری رسول ہیں اور یہ امّت آخری امّت ہے۔ اس کے بعد یہ نظام یہ کائنات یہ ارض وسما ان کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ اس روئے زمین پر اس آسمان کے نیچے ان سورج چاند ستاروں میں کوئی نئی امّت پیدا نہیں ہوگی یہ جہان تب تک ہے جب تک اللہ کریم اس امت کو اس جگہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اب یہ رکھنے والا ہی جانتا ہے کہ یہ کب تک رہے گی۔

امّت کے اعتبار سے ہر وہ شخص جس کا نوع انسانی سے تعلق ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا امّتی ہے۔ کسی نسل سے ہے کسی ملک سے ہے یا کوئی مذہب رکھتا ہے۔ کوئی عقیدہ رکھتا ہے۔ جب عقائد کی بات آتی ہے تو اللہ کی کتاب انسانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرماتی ہے۔ دونوں امّت ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ پہلی امّت امّت دعوت ہے۔ امت دعوت ایسی امّت ہے جس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت موجود ہے۔ اس میں ساری نسل انسانی شامل ہے۔ کوئی شخص ہو کہیں ہو جب چاہے اس کیلئے دروازہ کھلا ہے وہ توبہ کرے ایمان لائے اور اسی وقت وہ مسلمان ہو جائے دعوت موجود ہے، ساری انسانیت امت ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے دعوت قبول کرلی انہیں اصطلاحاً امت اجابت کہا گیا وہ امت جس نے وہ دعوت قبول کرلی، صرف دو طبقے ہیں انسانوں کے، دو قومیں ہیں پوری انسانیت کی۔ پوری کائنات میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ ایک کافر کسی رنگ کا ہو کسی نسل کا ہو، کسی مذہب کا ہو کسی ملک کا ہو، کسی قد کا ٹھ کا ہو بہر حال کافر ہے یہ قانون ہے

کفر ایک مشترکہ ایک واحد ملت ہے ایک واحد قوم ہے کفر ہونے میں تو کوئی شک نہیں کافر کافر ہے۔ کوئی کسی طرح سے ہے۔ کوئی کسی طرح سے۔ اس کے مقابلے میں اسلام ایک عالمگیر سچائی ہے۔ ہر مسلمان بنیادی طور پر مسلمان ہے۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے، امیر ہے یا غریب ہے، کس ملک سے تعلق رکھتا ہے کس قوم سے تعلق رکھتا ہے یہ بعد کی باتیں ہیں، یہ ملک کا ہونا، نسل کا ہونا۔ کسی قبیلے کا ہونا اس کا مطلب یہ ہے اللہ فرماتے ہیں۔ میں نے انہیں کنبوں میں، قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا ہے، فلاں، فلاں ملک سے۔ فلاں نسل سے ہے، فلاں خاندان سے ہے۔ اس لیے کہ آدمی کی تعیین ہو جائے۔ نام لیا جائے شناخت کرنے کے لیے، کسی کنبے کا حوالہ دیا جا سکے، کسی قبیلے کا حوالہ دیا جا سکے۔ کوئی اعوان ہے، کوئی سید ہے یا کوئی راجہ ہے، کوئی بھی ہے۔ یہ کمال محض کسی فرد کی ذات کو متعین کرنے کے لیے ہے۔ ورنہ کوئی خاص طبقہ ان خاندانوں کی وجہ سے وجود

میں نہیں آتا۔

دنیا میں انسانوں کے دو ہی طبقے ہیں، دونوں امت ہیں محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی۔ ایک امت دعوت ہے۔ دعوت اسطرح کی موجود ہے، پہنچائی گئی، پہنچائی جا رہی ہے پہنچائی جاتی رہے گی۔ اس کے پاس موت تک موقع ہے وہ جب چاہے قبول کر لے۔ نہیں کرے گا تو موت ان پہ توبہ کے دروازے بند کر دے گی۔ مرنے کے بعد اس کے پاس موقع نہیں ہوگا کہ امت مرحومہ میں داخل ہو سکے۔ اس لیے کسی بھی ایسے شخص کو جو کفر پہ مرے گا اگر اللہ تعالےٰ بصیرت دے تو برزخ میں یا میدان حشر میں تو سب کو نظر آئیگا۔ آپ کسی کو انسانی شکل پہ نہیں پائیں گے۔ کیونکہ کفر نے اس سے انسانیت چھین لی۔

دوسرا طبقہ ہے امت اجابت۔ اب جنہوں نے انکار کیا جنہوں نے قبول نہ کیا۔ ان کی بات قرآن کریم نے پہلے ارشاد فرمائی۔ ایک بات میں عرض کرتا چلوں کہ قرآن حکیم جب نازل ہوا۔ نبی کریمؐ جب مبعوث ہوئے تو جن لوگوں کو قرآن کریم نے خطاب فرمایا۔ قرآن کے مخاطب صرف وہی لوگ نہیں ہیں، ہاں ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ پہلے افراد ہیں جنہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ براہ راست انہیں قرآن نے خطاب فرمایا۔ وہ روئے زمین پہ ایسے لوگ ہیں، جنہیں براہ راست برکات نبوی اور فیوضات نبوی نصیب ہوئیں یہ عظمت ان کی بدستور موجود ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے انہیں خطاب کرنے کے بعد اپنا انداز خطاب بدلا نہیں ہے ہر آنیوالے کے ساتھ اس کا وہی لب ولہجہ ہے جو اپنے نزول کے وقت تھا اور وہی برکات اس میں آج بھی موجود ہیں جو نزول کے وقت موجود تھیں۔ وہی اطاعت جو اس کی اسوقت فرض تھی اسمیں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسی شدت سے آج بھی فرض ہے اور جسطرح اس دور میں انکار انسان کو اللہ کی رضا سے دور اور محروم کر دیتا تھا آج بھی اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ ساری حالت وہی ہے۔

بلکہ محققین فرماتے ہیں قرآن پڑھنے کا ادب یہ ہے کہ جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو یوں پڑھیں کہ جب یہ حکم دے تو یوں سمجھیں کہ بات مجھ سے کر رہا ہے۔ ہم پڑھتے ہیں کہ اور لوگوں کو حکم دے رہا ہے۔ سب کے تم ذمہ دار تو نہیں ہو۔ سب کی طرف سے تمہیں تو جواب نہیں دینا۔ آپ کو تو نہیں دینا جب آپ پڑھ رہے ہیں تو بات آپ سے کر رہا ہے۔ میں پڑھ رہا ہوں تو بات مجھ سے کر رہا ہے۔ کسی کام کے کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ فرمایا قرآن پڑھنے کا ادب یہ ہے کہ آپ اس طرح پڑھیں جسطرح کسی بہت بڑی عظیم الشان ہستی نے آپ کو یہ شرف بخشا ہو۔ اور براہ راست آپ سے خطاب کر کے اپنا ذاتی خط بھیجا ہو تو کیا آپ اس غور سے نہیں پڑھیں گے کہ یہ ہستی مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ اس خط نے مجھے کسی کام سے روکا ہے کیا کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا وہی بات وہی جذبہ اس کتاب پہ لاگو کر دیجیے، اسطرح سے پڑھیں دیکھیں یہ آپ کو اپنے ساتھ ساتھ چلاتا ہے کہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جزیرۃ العرب میں۔ بعثت کے بعد تیئیس برس آپ اس مادی دنیا میں تشریف فرما رہے اور پھر چشم عالم سے پردہ فرمایا اور دار بقا کو تشریف لے گئے۔ چالیس برس عمر شریف تھی جب اعلان نبوت فرمایا، تریسٹھ برس آپ اس عالم میں جلوہ افروز رہے۔

اس زمانے میں نہ لاری ہے نہ موٹر ہے نہ ہوائی جہاز ہے نہ کوئی ٹرک بھیجنے کا تصور ہے اور اللہ کا ایک بندہ جس کے ساتھ کوئی غیر ملکی حکومت نہیں۔ جس کے پاس کوئی اپنی فوج نہیں جس کے پاس کوئی مادی خزانہ نہیں، کوئی مادی ذرائع نہیں جس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص کھڑا نہیں ہوتا۔ پہاڑی پہ یہ تصدیق کرنے کے لیے کہ یہ جو کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔ کوئی بھی نہیں پوری کائنات میں کوئی شخص اللہ کے نام سے واقف بھی نہیں ہے اور پوری کائنات بسیط میں اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہو کر اعلان کر دیتا ہے کہ لوگو! تم غلط کرتے رہے ہو آؤ میں تمہیں صحیح راستہ بتاؤں۔ بڑی بڑی حکومتیں، بڑی بڑی سلطنتیں، بڑے بڑے عبادت خانے بڑے بڑے مذاہب بڑی بڑی رسومات بے شمار ایسی چیزیں تھیں، اس زمانے میں۔ ایک ہستی کی آواز صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچے گی کیسے، ماننا نہ ماننا تو بعد کی بات ہے یہ پہنچے گی کیسے۔ ذرا آپ اس زمانے میں تصور کر کے دیکھیں پہلے۔

دوسری مشکل اس میں یہ ہے کہ جب حضور چشم عالم سے پردہ فرما جائیں گے۔ تو پھر کیا ہوگا؟ اور اگر میرا نبی نہیں یہ آخری اللہ کا رسول ہے تو وہ برکات جو اللہ کا رسول دنیا میں موجود ہو کر بانٹتا ہے کیا دنیا میں بعد میں کسی کو نصیب ہوں گی اگر نہیں ہوں گی تو انسانیت پہ اور پوری انسانیت کو پکار کر رب العالمین

کہتا ہے۔ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ: لوگو! تمہارے پاس میرا رسول آ چکا۔ یہ ان پر بھی بات ثابت آتی ہے جو اس وقت موجود تھے اور وہ بھی صرف ان پر جہاں تک حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس دور میں پہنچے اور یہ بات طے ہے کہ آپ اپنی حیات مبارکہ میں جو آپ نے اس دنیا میں بسر فرمائی جزیرۃ العرب سے باہر تشریف نہیں لے گئے یعنی آپ کے سارے اسفار مبارک طائف سے لیکر تبوک تک اس علاقے کے اندر اندر موجود ہیں۔

تو کیا قرآن کریم کی اس آیت کے مخاطب وہی لوگ ہیں جو اس زمانے میں تبوک اور طائف کے اندر سما جاتے تھے۔ نہیں قرآن تو ساری انسانیت کو خطاب کرتا ہے۔ کیا اسی زمانے کی انسانیت کو خطاب کرتا ہے۔ نہیں ہر زمانے کے ہر انسان کو خطاب کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی برکات ہر زمانے میں ہر ملک میں ہر جگہ پا جانا یا حاصل کر لینا ممکن ہے اگرچہ ممکن نہیں تو قرآن حکیم کیسے فرما دیتا ہے لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ: تمہارے پاس تو میرا رسول آ چکا ہے۔ آدمی کہہ سکتا ہے خدایا تیرا رسول تو اگلوں کے پاس آیا وہاں سے تیرے پاس تشریف لے گیا ہمیں اس ریت کا مکلف کیسے بنایا۔

ان دو باتوں کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس پندرہ منٹ بھی نہیں اگرچہ یہ مضمون پندرہ سالوں کا ہے۔ پہلی بات سمجھنے کیلئے آپ یہ جان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے لوگوں کو کیا ملا۔ اس سوال کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ انسانیت کو حضور سے کیا نہیں ملا۔ کون سا کمال تھا جو انسانیت کو حضور کی جوتیوں سے نہیں ملا۔ نیکی ورع تقویٰ پاک دامنی صداقت امانت حکومت سلطنت ریاست جرأت شجاعت یا دنیا میں جو بھی خوبی یا کمال جسے آپ کہتے ہیں اُسے کسی ڈکشنری، کسی کتاب سے تلاش کر کے لائیں کہ یہ واقعی مسلمہ کمال ہے تو وہ حضور کے غلاموں کی جوتیوں میں آپ کو نظر آئے گا۔

ایک دفعہ کراچی میں نیول کی اکیڈمی میں ہمیں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں جو لوگ موجود تھے۔ ان کو جواب دینے سے پہلے میں نے ایک سادہ سا سوال کیا تھا آپ اس کا جواب دیں۔ اس کے بعد میں آپ کا جواب دوں گا۔

یہ عرب کے صرف حضرت خالد تھے یا ان سے پہلے بھی عرب میں شہسوار شمشیر زن نامور لوگ رہا کرتے تھے۔ عرب میں صرف ابوبکر و عمر ہی تھے یا ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضےٰ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔ ابوعبیدہ ابن جراح یا ابوہریرہ ہوں صحابہ کبار ہوں۔ ان سے پہلے جو عرب تھے ان کے پاس عربی النسل گھوڑے نہیں تھے۔ ان کے پاس یہ تلواریں نہیں تھیں۔ ان کے پاس عربی وجاہت نہیں تھی سب کچھ تھا۔ زمانہ اُن کو جانتا بھی نہیں وہ عرب کے صحراؤں میں کھو گئے۔ عرب کی ریت انہیں چاٹ گئی۔ انہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ سارا کمال ایک ہستی کا ہے۔ کسی کو جرنیل بنا دیا کسی کو صدیق بنا دیا کسی کو فاروق بنا دیا کسی کو مرتضےٰ بنا دیا۔ یہ جو بھی بنا حضورؐ کے قدموں میں بیٹھ کر بنا۔ اور بنانے والے کا بننے والے سے مقابلہ آپ کر سکتے ہیں۔ آپ اچھا جانتے ہیں۔ یا یہ کیڈٹ زیادہ فاضل ہے۔

جو شخص اپنے کندھے پہ جرنیل کا رینک لیکر یہاں کمانڈ کر رہا ہے۔ اس پوری اکیڈمی کو وہ زیادہ جانتا ہے یا جو میٹرک ایف اے یا بی اے کر کے کالج سے پرسوں اکیڈمی میں آیا وہ جانتا ہے۔ ارے وہ تو وہی بنے گا جیسے آپ بنائیں گے۔ کمال تو بنانے والے کا ہے۔ وہ کہنے لگے بات آ گئی سمجھ میں۔

تو ایک معاشرہ کا کمال یہ تھا حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا کہ آپ نے اس معاشرے کو وہ تعلیمات دیں جو دنیا میں سوائے رسول کے کوئی دے سکتا ہی نہیں۔ ساری عمر تحقیقات کرتے کرتے ایک انسانی بدن کے اجزا تک بات آئی، روح کی بات نہ کی۔ زندگی کو انسان کی پیدائش سے لیکر اس کی موت پر ختم کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انسان کو وہ علم عطا فرما دیا کہ عالم ارواح سے لیکر میدان حشر سے گزار کر جنت و دوزخ اور ابدی زندگی تک عطا فرمائی۔

آپ صرف ایک بات کو ہی دیکھیں کہ ایک عام مسلمان پیچھے دیکھتا ہے تو عالم ارواح تک کی خبر ہے۔ سامنے دیکھتا ہے تو موت مابعد الموت برزخ حشر نشر جنت و دوزخ اور ابدالآباد تک دیکھتا چلا جاتا ہے۔ بظاہر ہل چلانے والا کاشت کار ہے جنگل کاٹنے والا لکڑہارا ہے۔ عام سا زمیندار ہے، عام سا برتن بنا کر بیچنے والا مزدور ہے عام سا سٹیشن پہ مزدوری کرنیوالا قلی ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے

سے کم از کم علمی استعداد جو اس میں پیدا ہوئی وہ عالم ارواح سے لے کر ابدالآباد تک کی حیات انسانی پہ محیط ہے۔ اگر آج کا کلمہ گو یہ کچھ پا سکتا ہے تو جو چشم رسالت کے روبرو تھے انہوں نے کیا کچھ نہ پایا۔ یہ تو بات تھی معلومات کی۔ اس کے ساتھ حضور نے صرف معلومات نہیں بانٹیں۔ تعلیمات وہ عطا فرمائیں کہ زمین پہ بسنے والے لوگ جب بات کرتے تھے تو عرش بالا کی کرتے تھے۔ ایک آدمی کھجوریں بیچتا ہے، ایک خریدتا ہے اب بھلا اس میں عرش کا آخرت کو کیا دخل۔ کھجوریں ہیں۔ اس نے خریدی ہیں۔ اس نے بیچی ہیں۔ بیچنے والے کی نگاہ بیچنے میں آخرت پہ ہے کہ بیچنے میں اگر کوئی قصور ہوا تو کھجور تو بک جائے گی۔ آخرت بگڑ جائے گی۔ اور خریدنے والے کی نگاہ بھی آخرت پہ ہے کہ ایک کھجور ناجائز لے لی تو کھجور تو فالتو آجائے گی آخرت بگڑ جائے گی۔ بتاؤ یہ وسعت نگاہ انہیں کس نے عطا کی ہے پہلے عرب یہیں بستے تھے۔ انہیں تو اپنے آپ کا پتہ نہیں ہوتا تھا۔ انہیں تو اپنے مال و اسباب کا پتہ نہیں ہوتا تھا اب کائنات سے بات کرتے ہیں۔ ارے بات کرتے ہیں بدو اور صحرا نشین۔ کسی سے بات کرتے ہیں یہ کام نہیں کرو گے۔

ارے یہ کام کرلو نہیں کرو گے تو اللہ کریم ناراض ہو جائے گا۔ یہ معمولی بات ہے کیا۔ آپ کسی سے کہتے ہیں کہ یہ کام کرلو اس کا وقت ہے کرلو انعام پاؤ گے۔ نہیں کرو گے تو رب العالمین کی رضامندی چھوڑ دو گے۔ کتنی بڑی بات ہے۔ اس مشت خاک کو رب العالمین کی رضامندی پسند و ناپسند سے باخبر کس نے کیا۔

کرو یا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

کہاں سے لایا لوگوں کو بتوں کے سامنے سے آگ کی پوجا کرتے ہوئے، پتھروں کو پوجتے ہوئے، درختوں کو پوجتے ہوئے، ذلتوں میں، چوریوں میں، ڈکیتیوں میں، برائیوں میں مبتلا لوگوں کو لیا اور اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا۔

جب کوئی پوچھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انسانیت کو کیا دیا تو اس کا آسان تر جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانیت کو کیا نہیں دیا۔ صرف معلومات اور تعلیمات نہیں دیں برکات بھی دیں۔

برکات کا یہ عالم ہے کہ وہ لوگ جو بالکل ہی اللہ سے آشنا نہیں تھے۔ اللہ سے ایسے آشنا کر دیئے کہ انہوں نے جو جوتا پہنا اس میں سے بھی اللہ اللہ کی آواز آئی۔ حدیث شریف میں موجود ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم کھانے کے لیے اپنے سامنے کھانا رکھتے تھے۔ اس سے اللہ کی تسبیحات سنا کرتے تھے۔ حالانکہ ہم اسی کھانے کو کھا رہے ہوتے تھے۔ انہی کے سینوں کا پرتو ہوتا تھا یہ جمال یہ روشنی یہ نورانیت انہوں نے کہاں سے پائی۔ یہ تھیں برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

وہ دور گیا وہ لوگ گئے۔ لیکن ایک بات رہ گئی ہے۔ آج بھی اگر آپ چیک کرنا چاہیں تو پرکھنا چاہیں تو گھوڑا بھی حاضر، میدان بھی حاضر۔ تاریخ بتاتی ہے کہ صحابہ نے زمین کے کس کس خطے میں اسلام پہنچایا ہے۔ جہاں کسی صحابی کے قدم لگے ہیں۔ وہاں سے آج تک اسلام کو مٹایا نہیں جا سکا جس زمین پر کسی صحابی نے آذان کہی ہے۔ پندرھویں صدی آگئی ہے آج تک وہاں آذان ہو رہی ہے یہ ان کے وجود میں برکات کس نے بھر دیے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے۔ ان لوگوں کو تو حضور نے کندن بنا دیا ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا،
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

لیکن جب ہم اللہ کی کتاب کی طرف توجہ کرتے ہیں جو بات اللہ کی کتاب ارشاد فرماتی ہے آج بھی کہہ رہی ہے سن لو تمہارے پاس میرا رسول آچکا۔

کشف

کشف کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ اگر کشف نہ ہوتا، تو انبیاء کرام فرشتوں کو کیسے دیکھتے، وحی کیسے آتی؟ احکام ربانی کیسے وصول کئے جاتے؟ تبلیغ کس چیز کی فرماتے؟ لوگوں کو کیا سمجھاتے؟ غرضیکہ پورا دین کشفاً حاصل کیا گیا۔

(حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ)

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ: جب وہ قوم تیار ہوئی حضور میدان کارزار میں تھے

حجۃ الوداع کا موقع تھا جب یہ آیت نازل ہوئی:۔
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

یہ اتنا بڑا انعام تھا کہ آدم علیہ السلام نبینا سے لیکر عیسٰی علیہ السلام تک .... اتنا مکمل کہ اس کے بعد کوئی نئی چیز حلال نہیں ہوگی۔ جو آج حلال ہے کل حرام نہیں ہوگی۔ عبادت کا کوئی نیا طریقہ نہیں بتایا جائے گا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تمہارا دین مکمل ہو گیا اور جو انعامات مخلوق لے سکتی ہے وہ میں نے مکمل کر دیئے اس سے کوئی بڑا انعام مخلوق لینے کا تصور نہیں کر سکتی . . . .
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ: اپنی نعمت کو تمام کر دیا۔ اب اس سے زیادہ بڑی نعمت کا کوئی سوچ نہیں سکتا۔

صحابہ بڑے خوش ہوئے تو انہوں نے کہا ابوبکر کو تلاش کرو انہیں مبارک دیں۔ انہیں تلاش کیا تو خیمے کے گوشے میں بیٹھے تھے آنسو رواں ہیں۔ حضرت آج تو خوشی کا موقعہ ہے۔ فرمایا ہاں اس لحاظ سے تو خوشی کا موقع ہے کہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے لیکن جس بات پہ میں روتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر یہ انعام مکمل ہو گیا تو یہ دنیا حضور کے قابل نہیں ہے پھر آپ یہاں نہیں رہیں گے۔ جس بات پہ میں پہنچا ہوں اس آیت کو سن کر وہ یہ ہے کہ اس نے حضور کے تشریف لے جانے کی خبر دی۔ جب کام ہی ہو گیا جس کے لیے حضورؐ تشریف لائے تھے تو پھر آپ بیکار تو نہیں بیٹھیں گے۔ اور یہی ہوا کہ اس آیت کے نزول کے اسی بیاسی دن بعد حضور دنیا سے تشریف لے گئے۔

وہ تعلیمات جو ودیعت اس قوم کو حضورؐ نے فرمائیں قرآن نے فیصلہ دے دیا کہ قیامت تک آنیوالی انسانیت کے لیے ہیں ۔

جن لوگوں نے خلوص دل کے ساتھ ان لوگوں کی غلامی، ان کا اتباع، ان کے پیچھے چلنا اختیار کر لیا۔ اس نے میری رضا کو پا لیا۔ یعنی حضور نے تو پیغام پہنچانا تھا گھر گھر۔ وہ ان غلاموں کے ذریعے اللہ نے بھی لگا دیا اللہ کے رسول نے بھی۔ ایک قوم، ایک معاشرہ تیار کر کے وہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔ اور انہوں نے حق خدمت یوں ادا کیا حضورؐ کے وصال کے بعد تیئس برس میں روئے زمین پہ کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جو اسلام کی آواز سے ناآشنا رہ گیا ہو۔ آپ تاریخ میں دیکھئے کہ تیئس برس میں تکمیل اسلام ہوئی اور حضور کے وصال کے بعد تیئس برس کے اندر اندر معلوم دنیا کے تین حصے فتح ہو چکے تھے افواج اسلامی نے زیادہ تر سلطنتیں کلمہ توحید کے زیر نگیں آ چکی تھیں اور افریقہ سے لیکر سائبیریا تک، ہسپانیہ سے لیکر چین تک اسلامی ریاست بن چکی تھی۔ جہاں تک انسانی تاریخ پتہ دیتی ہے دنیا میں کسی زمانے میں نہ اس سے پہلے بیک وقت اتنی بڑی ریاست کسی حکمران کے پاس آئی اور نہ اس کے بعد آئی ہے۔ آج یہ جو آپ کے پاس نصف صد ریاستیں ہیں یہ ساری بھی اسی نقشے کے اندر ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سارا حصہ بھی تھا۔ جس کو مسلمانوں نے کھو دیا۔ یہ اس ایک امیر کے تابع تھیں جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کا خطیب ہوا کرتا تھا۔ ایک ملا کے تابع تھیں۔ ایک مولوی کے تابع تھیں پھر تو یہ آیت کریمہ سچ ہو گئی کہ میرا رسول لوگو تمہارے پاس آ چکا ہے۔ لفظ بہ لفظ وہی الفاظ۔ لفظ بہ لفظ وہی عقائد آپ کے خدام نے روئے زمین پہ پہنچا دیئے۔ خدا نے سچ کہا کہ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ: مقصد تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔

لیکن ایک بات رہ جاتی ہے۔ صرف پیغام نہیں تھا نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پاس آپ کے پاس کچھ کیفیات بھی تھیں۔ یہاں بات انسانوں سے ہو رہی ہے، عام انسانوں سے، امت دعوت سے، جنہوں نے حضور کی نبوت کا انکار کر دیا۔ اللہ ان سے کہتا ہے
دیکھو میرا رسول تم ہی جیسی انسانیت میں سے ہے اور کیسا ہے کتنا ہمدرد کتنا غمگسار ہے تمہارا کے ٹھوکر تمہیں لگتی ہے۔ دکھ اسے پہنچتا ہے۔ اسے مخاطب یہ ان کے لیے ہے جنہوں نے بات ماننے سے انکار کیا ہے۔ امت دعوت کفار مخاطب ہیں

آج ہم یورپ میں، امریکہ میں، مغرب میں، روس میں، چین میں، جاپان میں خواتین کو ننگا دیکھ کر سوچتے ہیں کہ یہ کافروں کی عورتیں ہیں ان کو ننگا ہی رہنا چاہیئے۔ یہ بات اسلامی نظریہ سے مطابقت نہیں رکھتی بلکہ برہنگی دیکھ کر ہمیں اپنی بے بسی کا خیال آتا ہے۔ کم از کم میں جب دیکھتا ہوں تو میں

یہ سمجھتا ہوں اللہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بظاہر وسائل نہیں تھے۔ جن کے لباس پھٹے ہوتے تھے۔ جن کے پاؤں میں جوتے صحیح سلامت نہیں تھے۔ جن کے پاس کھانے کو نہیں تھا، صحرا نورد تھے۔ لیکن کافر کافر ہی رہے تو اس کی عزت انہوں نے کی۔ آج ہمارے پاس وسائل تو ہیں۔ لیکن کافر تو کافر مسلمان کی عزت سر بازار لٹتی ہے۔

ہم خوش ہوتے ہیں، درندگی دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں۔ بے حیائی دیکھ کر ہم بھول جاتے ہیں، کافر تو کافر ہے وہ تو جہنم جارہا ہے۔ ننگا ہے تو بھی جارہا ہے۔ اور کافر لباس پہن لے تو بھی نہیں بچے گا۔ لیکن ہم سے پوچھا جائے گا تم نے ان پہ محنت کی۔ کیا انہیں دیکھ کر تمہارے دل پر وہ چوٹ لگی تھی جو انہیں دیکھ کر نبی کے دل پر لگا کرتی تھی۔

تمہیں دیکھ کر میرے نبی کے دل پہ چوٹ لگی ہے۔ اس کی راتیں تڑپتے گزر جاتی ہیں۔ خدایا یہ تیری مخلوق ہے۔ میری بعثت کے بعد بھی یہ بیچارے جہنم ہی جائیں گے۔ یعنی جو شفقت نبی کی تھی جو کیفیت وہاں تھی کہ اللہ مجھے تو نے اس دنیا میں بھیجا رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا۔ مجھے شفقتیں دیں، محبتیں دیں، انسانوں کی طرف بھیجا۔ یہ اولاد آدم پھر بھی تیرے غضب کی حقدار رہی۔

تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے لوگو تم صرف خود دوزخ میں نہیں جا رہے ہو، میرا نبی بھی تمہارے لیے پریشان ہو کر روتا ہے۔ تم صرف خود نہیں جارہے ہو۔ اب ایمان سے کہو نبی کی شفقتیں انہیں راتوں کو پریشان کر دیتی ہیں۔ مسلمانوں کی خطائیں، مسلمانوں کے گناہ انہیں پریشان کر دیتے ہیں۔ لیکن جسے ہم زیارتی کہتے ہیں جسے ہم اپنی پسند کا نام دیتے ہیں یہ کیا ہے؟

کیا کبھی ہم نے سوچا ہے جس کریم کو اتنا دکھ کافر کو جہنم میں گرتے دیکھ کر ہوتا ہے مسلمانوں کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے کتنی تکلیف ہوتی ہو گی۔

فرمایا لوگو! میرا رسول تمہارے پاس صرف آیا ہی نہیں ایسا انتظام کیا رب نے کہ بعثت نبوی کو، تعلیمات نبوی کو انقلابات حیات نہیں روک سکے۔ حیات کا جو ایک تغیر ہے وہ اسے ختم نہیں کر سکتا۔ جس وقت جو الفاظ حضور نے فرمائے تھے وہ الفاظ فضاؤں میں گونج گئے ہیں اور جب تک زمین آسمان قائم رہے گا احساس دلاتے رہیں گے کہ اللہ کا رسول پیغام پہنچاتا رہا ہے۔ رب العالمین اللہ کے رسول کے خادم یہ چیزیں بجالاتے رہیں گے۔

لیکن یاد رکھیں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے جو ہم دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے کرتے ہیں کہ فلاں کو میں نے نیچا دکھا دیا۔ یہ طریقہ محمدی نہیں ہے۔ طریقہ محمدی یہ ہے کہ کافر کے لیے بھی اس کے کفر کے لیے بھی درد پیدا ہو اور دکھ لگے اور اس محبت سے آدمی کہے کہ اے کاش یہ آدمی بھی گمراہی سے بچ جاتا ہے۔ ہمیں اسے نیچا نہیں دکھانا۔ اسے سرفراز کرنا ہے۔ ہم نے اسے رسوا نہیں کرنا، اسے سربلند کرنا ہے۔ ہم نے اسے پریشان نہیں کرنا اسے عطا کرنا ہے۔ ہماری تبلیغ تو دوسروں کو کافر بنانے کیلئے ہوتی ہے

بندوق ملتی ہے حفاظت کے لیے۔ آپ اس سے ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیں۔ کائنات میں یہ تعلیمات انسانیت کی حفاظت کیلئے ہیں۔ محبت بانٹنے کے لیے تھیں۔ شفقتیں لٹانے کیلئے تھیں۔ اب اگر میں کہوں یہ جو لوگ میرے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں، یہ بڑے اچھے مسلمان ہیں۔ باقی جو ہیں وہ کافر ہیں اس سے بھی کوئی بڑا ظلم ہو گا۔ ~~جو جیسے جماعت ترک کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں~~ ~~نہیں اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہوگا~~؟ اگر یہ واقعی اتنی بڑی نعمت ہے تو میرے دل میں تو محبت ہونی چاہیئے کہ لوگوں کو پیار سے بتاؤں کہ لوگو، اس میں اتنا نفع ہے تم بھی کماؤ۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ محبت ہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔

فرمایا! میرا نبی ساری کائنات سے بے نیاز ہے لیکن اولاد آدم تمہارے معاملے میں لالچ کی حد تک چلا جاتا ہے

کبھی سیر نہیں ہوتا کہ سب آدمی مسلمان تھے تب بھی اس کا مزاج وہی تھا۔ جب تھوڑے تھے تب بھی اس کا مزاج وہی تھا۔ اے اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے یا اللہ مزید لوگوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اس کے مزاج میں وہ استغنیٰ لوگوں کی طرف سے نہیں آیا، فرمایا میری ساری کائنات سے مستغنی ہے میں نے فرمایا۔ اے نبی اگر تو چاہے تو ان پہاڑوں کو سونے کا بنا دوں۔ فرماتا ہے خدایا مجھے مسکین ہی زندہ رہنے

دے۔ اے اللہ مجھے مسکینوں میں موت دے اور مسکینوں میں زندہ رہنے دے۔ لیکن جب تمہاری بات ہوتی ہے تو اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ جو ہو چکے ہیں مسلمان وہی کافی ہیں لالچ کی حد تک مانگتا چلا جاتا ہے۔

یہ حال تو ان کے لیے ہے جو نہیں مانتے اب آگئی ان لوگوں کی باری جو اُمت اجابت ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا۔ اللہ فرماتے ہیں میں اُن کی بات کرتا ہوں مومن کے ساتھ میرے نبی کی بات کیا ہے فرماتا ہے یہ بات کہنے سننے کے قابل نہیں ہے۔ خدا کچھ تو ہوگی۔ فرمایا:

مومنوں کے ساتھ اس کا معاملہ مروت کا ہے رحمت کا ہے، وہ بخشش جس کی حد نہیں ایسی رحمت جس کی انتہا نہیں۔ وہ گناہوں خطاؤں، غلطیوں، کوتاہیوں، سستیوں، لغزشوں کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ ایمان لے آؤ۔ زمین و آسمان کے درمیان کو گناہ سے بھر دیا ہو۔ ایک بار مسلمان ہو کر اس کے پاس آؤ۔ پھر اس کی بخششیں تمہارے لیے کافی ہیں۔

اللہ فرماتا ہے کہ میں اس تعلق پر بحث نہیں کروں گا جو میرے نبی کو ان لوگوں سے ہے جو ایمان لے آئے اور دیکھ لو کہ کافر کے ساتھ کتنی باتیں گنوائیں، مومن کے ساتھ بالمومنین ہی کہہ دیا۔ اتنا ہی کافی ہے کہ مومن کے لیے میرے نبی کے پاس رافت اور رحمت ہی ہے۔ رافت ہوتا ہے خطاؤں سے درگزر کرنا۔ رحمت ہوتا ہے کام تھوڑا ہو اس کی مزدوری زیادہ ہونا

فرمایا ایسا کریم ہے تم گناہ کرتے ہو وہ چھپا لیتا ہے، کوتاہیاں اور غلطیاں کرتے ہو وہ چھپا لیتا ہے۔ ارے تم تھوڑی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے لیے زیادہ مانگتا ہے۔ یعنی تم مزدوری کم کرتے ہو وہ تمہیں دینا زیادہ چاہتا ہے تم گناہ کرتے ہو وہ تمہاری بخشش کے لیے ہر آن دست بدعا ہے اب ایسے تعلق کی وضاحت کر دی۔ والدین کا تعلق بھی ایسا نہیں دوستوں کا تعلق بھی ایسا نہیں۔ سب سے پیارا تعلق تو والدین کا ہے۔ ایک دفعہ بات نہ مانو تو دس دفعہ مانو بیس دفعہ نہ مانو آخر تھک جاتے ہیں کہتے ہیں ہم تو اب برداشت نہیں کر سکتے۔ اللہ فرماتے ہیں اتنا کریم ہے۔ کبھی آج تک اس نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ کوئی مسلمان مجھ پر بھاری ہے خواہ تم کچھ کرتے ہو لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ تم مجھ پر بھاری ہو اور تم تھوڑا کام کرو وہ

دنیا

ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ صبح سے شام تک دنیا کمانے کی فکر میں لگے رہیں گے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ لوگ رات دن دنیا کمانے میں مستغرق رہتے ہیں۔ اس بات کی کوئی فکر یا پرواہ نہیں ہے کہ دین رہے یا چلا جائے۔ — دنیا کی کثرت بذاتِ خود بری شے نہیں بشرطیکہ یہ ہاتھ میں رہے اور دل میں جاگزیں نہ ہو جائے۔ یعنی اس کو آخرت سنوارنے کے لیے کام میں لایا جائے۔ نہ کہ اس کی وجہ سے آخرت برباد ہو۔ (حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں رح)

مجھ سے کروڑوں گنا زیادہ طلب کرتا ہے۔

اس کے بعد کلام باری کا رخ اپنے نبی کی طرف پھر جاتا ہے۔ پہلے بھی اشارہ دیا، کبھی وقت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا ہم مصروف لوگ ہیں دنیا ہمیں نہیں چھوڑتی۔

فرمایا وہ ہمیشہ اللہ کے لیے اللہ کے دین کے لیے اللہ کی باتیں سنانے کے لیے وقت صرف کرتا ہے۔ کتنے خوش نصیب لوگ تھے۔ جب دنیا کے لیے کم اور دین کے لیے زیادہ وقت ہوتا تھا۔ ان کے پاس اس وقت یہ تکلفات نہیں تھے۔ سادہ کھاتے تھے لوگ، سادہ زندگی بسر کرتے تھے زندگی میں اتنے تکلفات آگئے ہیں کہ سارا وقت انہوں نے لے لیا۔

جسطرح تعلیمات حضور کے خدام کے طفیل ملتی ہیں۔ اسی طرح یہ کیفیات بھی باقی رہتی ہیں۔ کیونکہ یہ بھی حضور کی ہیں۔ دنیا میں یہ مجلسیں بانٹنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی دروازہ ایسا ہوگا جہاں ہر آنیوالے کو محبت ملتی ہوگی۔ گناہ کر کے دیکھ لو خطا کر کے دیکھ لو کوتاہیاں کر کے دیکھ لو کوئی نہ کوئی جائے پناہ ہوگی۔ وہی جہاں نبی رحمت کی برکتیں ہونگی ورنہ کسی انسان میں حوصلہ نہیں ہے کسی انسان میں یہ خصوصیت ہے ہی نہیں۔ یعنی جسطرح آپ کی تعلیمات کو اللہ نے باقی رکھا۔ اسی طرح برکات و کیفیات کو بھی باقی رکھے

گا۔ جب تک یہ امت رہے گی کتاب بھی یہی ہے نبی بھی یہی ہے۔ تعلیمات بھی یہی ہیں برکات و کیفیات بھی یہی ہیں، لہٰذا دینا تو اپنے نصیب کی بات ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے میرے حبیب اگر اتنی شفقتوں کے بعد بھی لوگ تیری طرف توجہ نہ دیں بھاگ جائیں تم سے پھر بھی روگردانی کریں۔ پھر ان جانیوالوں کو صاف بتا دو۔ اے لوگو! تمہارا غرض مند نہیں ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ان سے یہ بات بتا دو۔ میرے لیے تو میرا اللہ ہی کافی ہے۔ مجھے تم سے کوئی غرض تو نہیں ہے۔ دنیا میں کہیں حاجت غرض ہوتی ہے۔ ہر جگہ امیر کے دروازے پر جاتے ہیں۔ ہم اپنی غرض لے جاتے ہیں۔ ہم اس پہ احسان نہیں کرتے وہ غریب سے محبت کرتا ہے اس لئے کہ اس کی آس بھی غریب سے وابستہ ہوتی ہے۔ فرمایا یہ ایسی بارگاہ ہے کہ یہاں صرف اللہ کافی ہے کسی انسان کی ضرورت نہیں۔

اس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت
ترک تعلق کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

تمہیں اس جیسا کوئی نہیں ملے گا۔ اسے تمہاری احتیاج ہماری آپ کی احتیاج نہیں ہے۔ فرمایا اگر کوئی اتنی محبتوں اتنی شفقتوں اتنی رفعتوں، اتنی رحمتوں کے باوجود بھی چھوڑ کر جاتا ہے تو میرے نبی اسے کہہ دے کہ مجھے تو اللہ کافی ہے مجھے تجھ سے کچھ نہیں لینا۔ حسبی اللہ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے وہ تو ایسا پروردگار ہے جس کی گود میں سینکڑوں کائناتیں پل رہی ہیں۔ عرش عظیم پر وہ محیط ہے۔ جس جو آسمان اور جو تے سماوی اور سینکڑوں دنیا کے کروڑہا سیارے اس کی گود میں پل رہے ہیں۔ اس سارے انتظام کو وہ خود چلا رہا ہے تو کوئی انسان بھاگ جائے اور اتنی بڑی ہستی کے پاس نہ جائے تو فرمایئے کہ میرا بھروسہ تو اس پہ ہے۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں لینا۔ ہاں محبت کی شفقت کی انسانیت کے رشتے میں یہ دیا فرمایا : اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں تو محبتیں بانٹتا ہوں۔ اسلام واقعی محبتوں کا شفقتوں کا نام ہے ہماری گفتگو کا حاصل یہ ہوا : آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول قرآن آخری کتاب امت آخری امت ہے آپ نے برکات بانٹیں ہیں۔ آپ کے زمانے میں بھی آپ کے خدام تک پہنچیں حضور کے چشم عالم سے پردہ فرمانے کے بعد بھی پہنچ رہی ہیں صرف تعلیمات ہی نہیں پہنچیں۔ وہ شفقتیں وہ رحمتیں وہ برکتیں بھی پہنچیں جو حضور نے بانٹیں ہیں تب بھی پہنچیں، اب بھی پہنچ رہی ہیں اور انشاء اللہ پہنچتی رہیں گی۔ اب یہ اپنا اپنا نصیب ہے اللہ کریم ہم سب کو توفیق دے۔

نقائص کشف

کشف صحیح بلاشبہ اللہ کی نعمت ہے۔ مگر یہ قبولیت کی دلیل نہیں۔ مگر بعض کوتاہ اندیش لوگ اسے عنداللہ مقبولیت کی دلیل سمجھ کر محنت ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے کشف الٹا حجاب بن جاتا ہے۔

دوسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ صاحب کشف اپنی طرف کمال کی نسبت کرنے لگتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص فائدے میں ہے اور محفوظ ہے جسے کشف نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کمی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اگر اس کے ذوق میں کمی آجائے تو وہ اپنی کمزوری سمجھتا ہے۔ اس لیے خود بینی سے محفوظ رہتا ہے۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

صحابی

حضرت جیؒ کا غیر مطبوعہ بیان
۲۹ مئی ۱۹۸۱ء بروز جمعہ۔ دار العرفان میں

صحابی :- کہتے کسے ہیں؟ صحابی اصل میں تو صحبت سے ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو جائے لیکن اصطلاحِ شریعت میں صحابی اسے کہا جاتا ہے جس نے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کو حالت ایمان اور اسلام میں دیکھا ہو۔ یہ نہیں کہ ایک طرف سے دیکھا گیا ہو مثلاً کسی آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ اس پر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ اندھا تو دیکھ بھی نہیں سکتا تو پھر وہ صحابی نہ ہوا اس لیے محدثین اور علماء نے لکھا ہے کہ جانبین سے یہ معاملہ ہو گا کہ آقائے نامدار محمد رسول اللہ کو حالت ایمان اور اسلام میں ایک شخص نے دیکھا یا حضورؐ نے اُس کو دیکھ لیا ہو۔ مثلاً ایک آدمی ہے دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن حضورؐ نے تو اُس کو دیکھ لیا ہے۔ اس لیے جانبین سے حضورؐ کو دیکھ لے حالاتِ ایمان میں یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کو دیکھ لیں۔ ایک بات دوسری یہ کہ حالت بیداری میں دیکھے خواب میں نہیں۔ اگر کسی آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا یا زیارت ہوئی آپ سے بات چیت ہوئی تو صحابی نہیں بنے گا۔ بلکہ اس قدر کہ آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے وفات کر گئے رخصت ہو چکے لیکن دفن نہیں ہوئے باہر پڑے ہیں چارپائی پر کسی نے آکر آپ کا چہرہ دیکھا ہے تو وہ صحابی نہ بنے گا۔ کیونکہ اس وقت آپ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور اس وقت اُن کا وجود عالم برزخ میں پڑا ہے۔ حالت بیداری میں، ایمان ہو، ساتھ جانبین سے اور بیداری کی حالت میں ساتھ یہ ہے کہ اس دنیا میں ہو مثلاً صوفیائے کرام یا کسی اور آدمی کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے وہ تو خوابی حالت ہے بیداری کی حالت میں بھی اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہے یہ صالحین کا طریقہ ہے زیارت ہو جاتی ہے گفتگو بھی ہو جاتی ہے لیکن وہ صحابی نہ بنے گا۔ اس لیے کہ دنیا جو ہے یہ شرط ہے اس کے لیے کہ دنیا میں حضورؐ بھی ہوں اور وہ بھی ہو۔ تو آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں تشریف لے گئے عالم بالا (کی طرف) انبیاء علیہ صلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ رستہ میں مکہ سے جا رہے تھے۔ بیت المقدس کی طرف کہ حضور کی زیارت ہوئی اور ملاقات ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آپ فرماتے ہیں کہ میں گذر رہا تھا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ دیکھ لیا لیکن صحابی نہیں بن سکے۔ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہ السلام کی جماعت کو جمع کیا گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی حتیٰ کہ اذان ہوئی سب نے آقا نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ فرماتے ہیں میں کھڑا تھا دیکھ رہا تھا کہ اب امام کون بنتا ہے جبرائیل علیہ السلام نے پکڑ کر مجھے آگے کھڑا کر دیا۔

در آں شب امام الانبیاء شد ، .... پیشوا شد

سارے جو آگے بڑھنے والے تھے آگے کھڑے ہونے والے تھے سارے کے سارے پیچھے کھڑے ہوئے اس لیے آپ کو امام الانبیا کہا جاتا ہے۔ سب کے ساتھ ملاقات ہوئی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ معاملہ ہو چکا، نماز سے فراغت کے بعد ہر ایک نے اللہ کی صفت اور ثنا مدح اور ثناء اللہ تعالیٰ کی۔ آپؐ نے آخر میں اللہ تعالیٰ کی مدح و ثنا کی۔

تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر دونوں نے حالات لکھے ہیں اس کے تمام انبیاء کے سامنے قیامت کا مسئلہ پیش ہوا۔ کہ کسی کو علم ہے قیامت کا سب نے لا لا فرمایا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اتنا جانتا ہوں کہ جس وقت میں دنیا پر دوبارہ اتروں گا تو اُس وقت قیامت ہوگی۔ مجھے اتنا علم ہے۔ لیکن ان تمام دیکھنے والوں کو صحابی نہیں کہا جا سکتا عیسیٰ علیہ السلام صحابی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ نبوت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ باطنی پہلو کا تعلق باللہ عیسیٰ علیہ السلام کا بدستور جاری رہے گا۔ بخاری میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس وقت یاجوج اور ماجوج کا خروج ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کرے گا کہ اپنے آدمی لے کر پہاڑی پر چلا جا وہ مخلوق آ رہی ہے جس کے ساتھ آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وحی بدستور آئے گی۔ وحی کا تعلق باطنی حصے سے ہے ظاہری حصے سے نہیں۔ ظاہری حصہ جس قدر بھی تھا وہ سب منسوخ ہو چکا ہے۔ ظاہری پہلو نبوت کا ختم انجیل اور ربقایا کام جس قدر بھی عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے آئے ختم ہو گئے ہاں جن کو قرآن کریم نے یا آقائے نامدار نے برقرار رکھا باقی سب ختم۔ ظاہری پہلو ختم ہو گیا۔ باطنی پہلو بدستور رہ گیا۔ یہ تعلق بدستور رہے گا۔ وحی آئے گی۔ وہ احکام بھی بتائے گا لیکن وہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق اس لیے آپ کو نبی بھی کہتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بھی کہتے ہیں کہ حضورؐ کا صحابی کیوں کہ حضور کو دیکھا ہے دارِ دنیا میں، حضورؐ کے عشق کو دیکھا ہے دارِ دنیا میں۔ بقایا انبیاء سے ملاقات ہوئی لیکن کوئی صحابی نہیں بنا۔ اُس کی وجہ کیا ہے کہ وہ برزخ میں تھے اور حضور دارِ دنیا میں۔ مَیں نے ایک بہت بڑے فاضل کی کتاب دیکھی ہے۔ اصولِ حدیث یہ کتاب انہوں نے لکھی جو بہت بڑا فاضل ہے، میرا خیال ہے ایسا آدمی اس کے بعد محدثین میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اُس نے ٹھوکر کھائی۔ لکھتا ہے کہ صوفیاء کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے اُن سے بات ہو سکتی ہے تو پھر وہ صحابی بن گئے۔ اس لیے مَیں نے عرض کر دیا ہے کہ صحابی کے لیے یہ شرط ہے کہ دیدار دارِ دنیا میں ہو اور بیداری میں دیکھے

بعض نے مکلف ہونے کی بھی شرط لگائی ہے کہ مکلف ہو چاہے مکلف بالقواد چاہے مکلف بالفعل ہو۔ مکلف بالفعل ہم لوگ ہیں۔ پاگل مکلف بالفعل نہیں اور بچے مکلف بالفعل نہیں لیکن ان میں قوت ہے۔ آئندہ چل کر مکلف ہو سکتے ہیں اب آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں خواہ دس منٹ کوئی آدمی آ کر بیٹھا ہے یا آپ کو حالتِ ایمانی میں ان شرطوں کے ساتھ دیکھ لیا ہے۔ صحابی ہے صحابیت میں شریک ہو گیا ہے۔ صحابی ہے صدیق اکبرؓ بھی صحابی ہیں۔ فاروق اعظمؓ بھی صحابی ہیں، بدری بھی صحابی، احدی بھی صحابی، بیعت الرضوان والے بھی صحابی۔ مراتب میں فرق ہے۔ مراتب ہر ایک کے اپنے اپنے ہیں۔ جنتی سب ہیں سب وعد اللّٰہ الحسنٰی سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی جنت کا وعدہ ہے۔ اعلان کر کے فرما دیا ہے کہ سارے کے سارے جنتی ہیں۔ مراتب علیحدہ علیحدہ ہیں ہر شخص کے کسی شخص نے حضورؐ کے ساتھ کلام کیا ہے۔ خواب میں دیکھا ہے آپ نے کچھ فرما دیا ہے یا کسی عارف باللہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بات چیت کی ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ بات جو ہوگی حدیث کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیوں! اس لیے کہ یہ کلام اتفاقی چیز ہے۔ الہامی طور پر ہوتی ہے کشف اور الہام یہ چیزیں اسرار و رموز شریعت کے بیان کرنے کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ دلائل شریعت ہیں۔ جس وقت اِن کو شرعی دلائل کے ساتھ تعلق نہیں تو حدیث رسول تو دلائل شرعیہ ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت، قیاس، یہ دلائل شرعی ہیں۔ کتاب اللہ اور حدیث رسول پہ مسبت ہیں۔ مسبت وہ کلام ہے جو ذات باری کے ساتھ مختص ہے۔ بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد اگر کوئی بات آپ کی سن لیں خواہ خواب میں ہو، بیداری میں ہو وہ حدیث کا درجہ نہیں

رکھتی حدیث کسے کہتے ہیں؟

حدیث حضورؐ سے ہے اور اس کے بعد ہر علم جو ہے ہر فن جو ہوتا ہے اُس کا کوئی موضوع ہوتا ہے کوئی غرض بھی۔ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کا موضوع ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے جس وقت اُس کی حیثیت اور قاعدے بدل جاتے ہیں اُس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ حدیث اسے کہتے ہیں۔ جس کی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر دی جائے، اضافت کر دی جائے۔ مثلاً قول رسول، فعل رسول، تقریر رسول، ارادہ رسول حوائج رسول اور صفات رسول یہ ساری چیزیں حدیث ہیں، کیونکہ حدیث کی تعریف یہ ہے کہ حضور کی طرف جس کی اضافت کر دی جائے۔ چاہے قول ہے، فعل ہے۔ تقریر ہے، ارادہ ہے، دل میں کھٹکی کوئی چیز یا حضورؐ کے اوصاف ہیں، اُن کی اضافت بھی حضور کی طرف ہے۔ حضورؐ کا قد و قامت طول عرض حدیث میں داخل ہے۔

موضوع حدیث ذات محمد رسول اللہ بحیثیت نبی۔ غرض اسی سے ہے۔ سعادت دارین کہ دنیا اور آخرت انسان کی سنور جائے ٹھیک ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھیک ہو جائے اُس کے بعد ہے روایت۔ روایت اُس کو کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے بیان فرمائی ہے جو آپ کے منہ مبارک سے چیز نکلی ہے یا آپ کے سامنے کام ہوا ہے۔ اُس کو آپ نے روکا نہیں، یا آپ نے کام کیا ہے یا آپ نے ارادہ کیا ہے لیکن ترک کر دیا ہے یا دل میں بار بار کھٹکی ہے کہ کرنی چاہیئے لیکن نہیں کی۔ روایت کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کو روایت کہتے ہیں جس میں راوی اور مروی کی بحث کی جائے۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے ضعیف ہے غلط ہے کس طریقے سے ہے متواتر ہے فصیل۔ حسن لغیرہ ہے یا مشہور ہے اور راوی کی جانچ پڑتال کہ یہ راوی کیسا ہے اِس کو کہتے ہیں روایت۔ راوی سچا ہے جھوٹا ہے حدیث وضع کرتا ہے کس طرح ہے اس طرح یہ بھی سمجھ لینا کہ ہم امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد درایت میں ہیں روایت میں آپ کے مقلد نہیں۔ روایت میں محدثین کے ہم مقلد ہیں۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد وغیرہ جس قدر کتابیں ہیں ان کے مقلد ہیں، ان کی روایت کو لے کر چل رہے ہیں۔ درایت میں امام ابو حنیفہؒ کے۔ اسی طرح جو

صحبت بد

تعمیر کی نسبت تخریب کا عمل جلدی بھی ہوتا ہے اور آسان بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص رات بھر اللہ اللہ کرتا ہے۔ مگر دن کو چند لمحے اگر نااہلوں اور بدکاروں کی صحبت میں گزار دے تو اس کی رات بھر کی کمائی چند لمحوں میں ضائع ہو جائیگی۔ ایک اصول ہے وہ یہ کہ جو شخص سیرت کے اعتبار سے اتنا پختہ اور قوی ہو کہ برے لوگوں کی اصلاح کر کے انہیں اپنے رنگ میں رنگ سکے۔ اس کے لیے پرہیز سرے سے جائز نہیں۔

لوگ امام شافعی کے، امام مالک کے امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں وہ درایت میں ہیں۔ روایت میں کوئی کسی کا مقلد نہیں اگر مقلد ہیں تو محدثین کے ہیں۔ درایت میں کس طرح اُس راوی کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ بہت بڑے عالم ہیں، بہت بڑے فاضل، بہت بڑے مجتہد، زیرک، بے انداز قرآن حکیم کو سمجھنے والے، حدیث رسول کو سمجھنے والے، سچے، صادق اور ثقہ تھے۔ ہم نے اُن کی تقلید کی، اس کو کہتے ہیں درایت، روایت میں ہم مقلد ہیں محدثین کے۔ درایت میں ہم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔

جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لی ہے وہ صحابی ہیں، صحابیت میں سب شریک ہیں، اس میں تھوڑی سی چیز سمجھ لو کہ جو فنا فی الرسول کر لیتے ہیں، اس میں دو طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کو زیارت نہیں ہوتی، اندھا آدمی جو ہے صحابی اُس کو بھی کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھ لیا۔ اسی طرح سے جس کو حضورؐ کی زیارت

نہیں ہوتی حضور، تو اُس کی زیارت کر لیتے ہیں اگر وہ دربارِ نبویؐ میں فنا فی الرسول میں داخل ہوتا ہے اُن کے سامنے جاتا ہے یہ طاقت اُن میں ہے ......

جس قدر بھی کرامات ہیں یا خرق عادات ہیں جس قدر بھی یہ چیزیں صادر ہوتی ہیں ۔ کسی انسان سے ۔ خرق عادات ثمرہ عمل ہے ، جو عمل صالح انسان کرتا ہے یہ اس کا ثمر ہے ، صوفیاء کا اتفاق اور اجماع ہے اس بات پر ، میں تو احساس دلاتا ہوں اسی کا کہ مجاہدہ کے بعد ، ریاضت کے بعد کشف القبور ہوتا ہے اعمال صالح ہوں ساتھ ریاضت بھی ہو ۔ اعمال صالح کا ثمرہ ہیں مشاہدات ، مکالمات ، الہامات اور کرامات ۔ آگے خود سوچ لو اس وقت دو آدمیوں کا موازنہ کیا جاتا ہے ایک صاحب کشف ہے ۔ صاحب الہام ایک اندھا ہے اُس کو کچھ نظر نہیں آتا ۔ تو صوفیوں کے نزدیک سب سے بہتر انسان وہ ہے جس کو کچھ نظر نہیں آیا وہ ثمرہ ہے دن کو جو مزدوری کی ہے شام کو اُس کی اُجرت مل گئی ہے ، میدان قیامت میں یہ چیز نہ ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ مہربانی کر دیں گے ۔ جس شخص سے کوئی چیز صادر نہیں ہوئی اس کی ساری کی ساری مزدوری جو اُس نے محنت کی ہے دن کی ۔ شام کو بنک میں جمع کروا دے ۔ خزانے میں جمع کروا دے خواہ اسی مالک کے پاس جمع کرا دے کہ ضرورت کے وقت اس کو لے لوں گا ۔ اور جس نے دن کو محنت مزدوری کی ہے شام کو مزدوری لے لی ہے اس کے لیے کچھ نہیں رہا ۔

صوفیاء کرام میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس سے کرامات کا صدور ہوا ہو ، اور موت کے وقت وہ رویا نہ ہو زار و قطار روتے تھے کہ ثمرہ عمل کا دنیا میں مل گیا اور شاید آخرت میں کیا ہو ۔ جن کو کچھ نہیں ملتا اُن کے اعمال محفوظ رہ گئے ۔ اُن کا ثمرہ اُن کو نہیں ملا ۔ قیامت والے دن ان کو مل جائے گا ۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف رضائے الٰہی کا نام ہے دیکھنے دکھانے کے لیے نہیں ۔ امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

بچوں کی تربیت کی جاتی ہے ، کھلایا جاتا ہے ۔ مشاہدات دے کر انعامات دے کر ۔ صاحب روح المعانی نے عجیب بات لکھی ہے چونکہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے ایک ساتھی تھے ۔ افغانستان میں آپ کے خلیفہ تھے وہ ناراض ہو کر بڑبڑا کر چلے گئے مخالف ہو کر انہوں نے بہت کچھ خرافات لکھے ۔ آپ کے مکتوبات کو بگاڑ کر خراب کر کے قطع برید کر کے ۔ علامہ برزنجی مکہ مکرمہ میں مفتی حرمین کا مفتی تھا وہ دین دار تو تھا اُس کے پاس لے جا کر اُس کو پیسے وغیرہ دے کر امام ربانی مجدد الف ثانی پر کفر کا فتویٰ لگایا ، پمفلٹ شائع کروایا ۔ مفتی مصر نے وہ مکتوبات جو امام ربانی کی زندگی میں جمع ہو چکے تھے اُن کو منگوا کے مفتی مصر نے دیکھا ۔ دیکھنے کے بعد مفتی مصر کا قول نقل کرتے ہیں ۔ امام سید روح المعانی میں یہ حالات سارے بیان کرتے ہیں ، کشف کرامات ، الہامات ، مکالمات وغیرہ کر کے امام ربانی کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ بچوں کا کھیل ہے ۔ بچوں کی تربیت کی جاتی ہے اُن کو کھلایا جاتا ہے یہ قرب کا سبب نہیں ۔

فرماتے ہیں سب سے بڑی کوشش صوفی کی ہونی چاہیے کہ مقام رضا کو حاصل کرے ۔ لیکن یہ بڑا مشکل ہے کہ ہزاروں صوفیاء نے ٹکریں ماری ہیں ۔ لیکن اُس تک نہیں پہنچے اب یہ سوچ لو سب سے بڑی نعمت ہے کہ درجہ احسان کا انسان کو حاصل ہو جائے فرائض کی پابندی کرے ، سنت ہدیٰ کا متبع ہو ۔ تاکہ اس کی پابندی پوری پوری کرے ۔ اس کے بعد اس کو لطائف اور مراقبات ثلاثہ حاصل ہو گئے اس کو احسان کا درجہ حاصل ہو گیا ۔ یقیناً جنتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسی پر خاتمہ کر دے ۔ یہ صوفیا کا اتفاقی مسئلہ ہے ، ہاں جس آدمی کو چیز مفت مل جاتی ہے آسانی سے مل جاتی ہے اُس کے دماغ میں دل میں اُس کی قدر نہیں ہوتی ۔

صحابی کا مطلب میں نے عرض کر دیا ہے ۔ حدیث ، روایت اور مروی ، راوی اور مروی کی بحث ۔ اب صحابہ کرامؓ کے متعلق کہ صحابی سارے کے سارے عادل نہیں ۔ روایت محدثین بیان کرتے رہتے ہیں راوی پر جرح کرتے ہیں ، ہر راوی پر جرح کی جاتی ہے اس نے کہاں سے حدیث سنی ہے ، اس نے ساری زندگی میں کہیں جھوٹ تو نہیں بولا ۔ ان سب پر جرح کرتے ہیں ۔ جس وقت صحابی کی ذات آ جاتی ہے اس وقت قلمیں اور زبان بند ہو جاتی ہے ، صحابی عادل ہے کیونکہ عادل ہونے کے لیے بہت دلائل ہیں لیکن اگر کوئی دلیل بھی نہ پائی جاتی پھر بھی اُن کی جان نثاری اُن کی قربانی اس قدر ہے ، کافی ہے محدثین نے لکھا ہے کہ صحابی کی محبت جزو اسلام ہے ۔ لکھتے ہیں رضیت باللہ فاروق اعظم کا ایک مقولہ ہے ، نبی کریم کے سامنے انہوں نے پیش کیا تھا رضیت باللہ ربّاً و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیاً و بالقرآن

حکماً و اماماً و بالصحابۃ اخوۃ و اخواناً لنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جزو اسلام قرار دیا ہے۔ رضیت باللّٰہ ربًّا میں اللّٰہ پر راضی ہو گیا بحیثیت رب ہونے کے وہ میرا رب ہے و بالاسلام دیناً اسلام پر اس لیے راضی ہوں کہ وہ میرا دین ہے محمد رسول اللّٰہ پر اس لیے راضی ہوں کہ وہ میرے نبی ہیں۔ قرآن پر راضی ہوں کہ وہ حاکم ہے اور امام ہے ہمارا۔ وہ بالصحابۃ صحابیوں پر اس لیے راضی ہوں کہ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور ہمارے لیے بھائی ہیں۔ واخواناً لنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، حضور اکرم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاون و مددگار ہیں، یہ جزو اسلام ہیں ...... عدالت جو ہے صحابہ کی کہ صحابی کا اپنا قول دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہو سکتا۔

صحابی کا قول صحابی پر حجت نہیں لیکن ہمارے لیے واجب الاتباع ہے۔ حجت ہے ہاں کوئی ایسا صحابی ہو پہلی کتابوں کا واقف ہو اُن کتابوں سے بیان کر رہا ہے، وہ جدا بات ہے یا اپنی رائے کوئی بیان کر رہا ہو کسی معاملے کے متعلق۔ اگر اس نے قول رسولؐ کو نقل کیا ہمارے لیے تو وہ حجت ہے ہمارے لیے۔ صحابی کا قول حجت، اگر صحابی کو گرا دیا جائے تو معاذ اللّٰہ دین ختم ہو جاتا ہے۔ سوچنا، اگر کوئی شخص بڑا فاضل ہو، مجدد ہو مجتہد ہو کچھ بھی ہو اس کی زبان کاٹ دی جائے بازو کاٹ دیے جائیں، سب کچھ اس کا ضائع ہوا۔ آقائے نامدار محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لسان نبوت سے رنجوم ہدایت تک صحابہ کرام کو بیان کیا ہے کہ یہ ہدایت کے نجوم اور ستارے ہیں، زبان ہیں محمد رسول اللّٰہ کی، بازو ہیں محمد رسول کے زبان کٹ جائے بازو ہوں تو لکھ کر بتا سکتا ہے جس وقت بازو بھی کٹ جائیں تو سب کچھ برباد۔ تو آقائے نامدار صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ بازو ہیں، زبان ہیں۔ اگر صحابہ کٹ گئے تو ختم، اسکو چھوڑ دو۔ جس وقت حضور نے لسان نبوت فرمایا ہے تو حضورؐ کی زبان پر تو غلط اور جھوٹ صادر نہیں ہو سکتا نہ جاری ہو سکتا ہے، صحابہ اس لیے عادل ہیں ان کی زبان سے دین کے متعلق کوئی غلط بات نہیں ہو سکتی، رہ گئی یہ بات آپس میں اُن کے تنازعے بھی ہوتے تھے۔ اہل سنت والجماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ ان کو دنیا کے کاموں تک رکھا جائے، دین کی طرف ان کو رائج نہ کیا جائے نہ دین میں ان کے تنازعات کو داخل کیا جائے، تنازعات جو ہیں ان کا تعلق دنیا تک ہے دین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، دین میں وہ سب بھائی بھائی ہیں، کوئی فرق نہیں۔

اسرار التنزیل
کی دوسری جلد چھپ چکی ہے
کیا
آپ نے اس کی کاپی حاصل
کر لی ہے ؟
پہلی اشاعت سے محدود تعداد باقی رہ گئی ہے
اگلی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے، یہ نہ ہو کہ آپ کو
قیمت غیر مجلد -/۵۰ روپے
مجلد آرٹ پیپر -/۱۰۰ روپے

حافظ عبدالرزاق

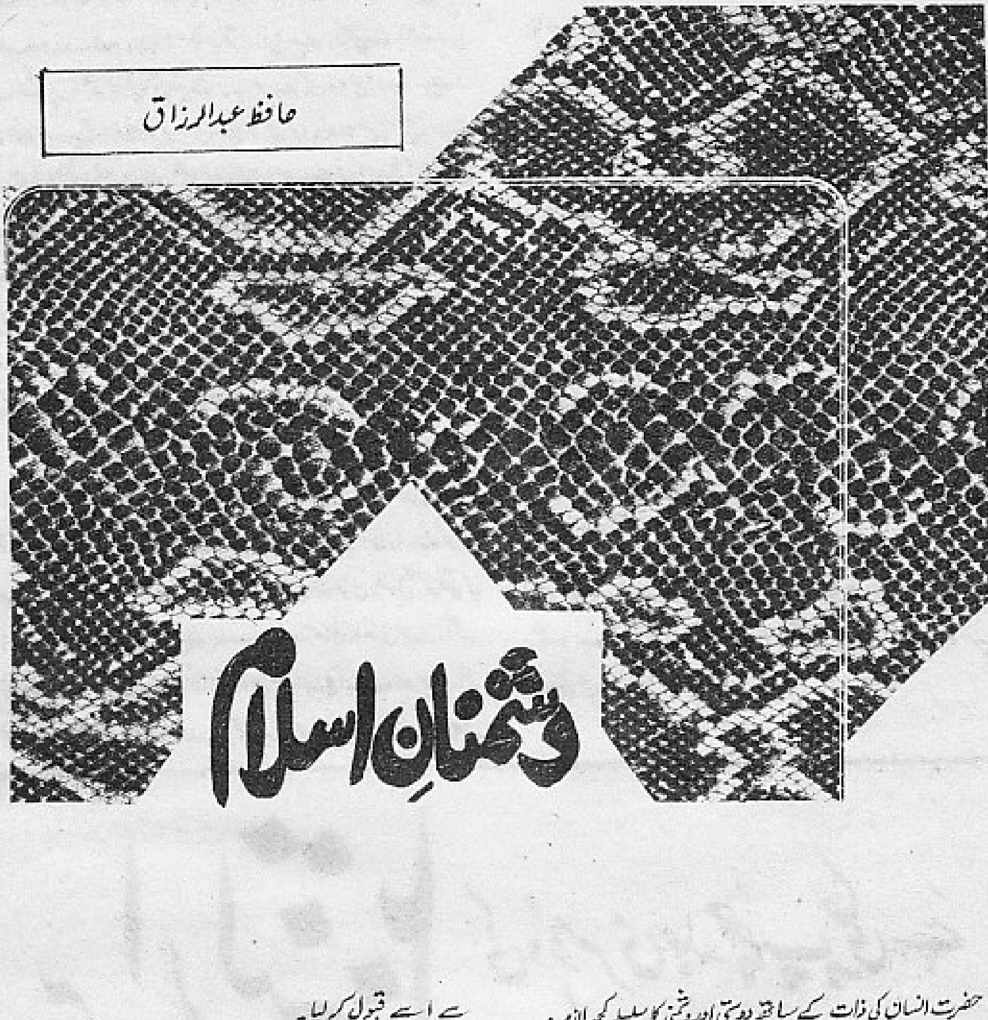

دشمنانِ اسلام

حضرت انسان کی ذات کے ساتھ دوستی اور دشمنی کا سلسلہ کچھ لازم و ملزوم کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو دوست بھی ملتے ہیں اور دشمن بھی۔ باشعور اور کامیاب انسان وہ ہے جسے دوست اور دشمن میں تمیز کرنے کا سلیقہ آتا ہو۔ اور اپنے ان خیر خواہ دوستوں کو پہچانتا ہو۔ جو دشمن کی نشاندہی کر کے خیر خواہی کا حق ادا کرتے رہتے ہیں۔

داعی اسلام اور محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں اسلام کی دعوت دی تو اہل مکہ کو بالخصوص اور عرب کو بالعموم وہ دعوت نرالی اور اجنبی محسوس ہوئی۔ اور اس تعجب کے بعد ان کا ردِ عمل مختلف صورتوں میں ہونے لگا۔ کچھ لوگوں نے تو اس دعوت پر سنجیدگی سے غور کیا اور اس میں افادیت کے علاوہ ایک خاص کشش محسوس کی۔ چنانچہ انہوں نے پورے غور و خوض اور پورے شعور سے اسے قبول کرلیا۔

کچھ دوسرے ایسے تھے جو کچھ فیصلہ نہ کر پائے اور عرصہ تک گومگو کی حالت میں رہے اور اپنی سمجھ کے مطابق خاص قسم کے حالات کا انتظار کرنے لگے۔ جو ان کی نگاہ میں اس دعوت کی حقانیت اور کامیابی کی دلیل قرار دیئے جا سکتے تھے۔

کچھ اور ایسے تھے جو محض ضد اور انانیت کی بنا پر مخالفت کیلئے آمادہ ہوگئے اور پھر عملاً مخالفت شروع کر دی۔ پھر ان مخالفین میں کچھ ایسے تھے جنہیں محسوس ہو رہا تھا بلکہ یقین تھا کہ دعوت حق ہے۔ مگر اس کو قبول کرنے میں ان کو اپنی چودھراہٹ اور اقتدار کی موت نظر آتی تھی۔ اس لیے انہوں نے اسے صرف اپنی انا کا مسئلہ بنا کر اس کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس دعوت کو قبول کرنے والے ان حالات سے بخوبی واقف ہوتے۔

نبی کریم کی مکی زندگی میں قرآن کریم کا جو حصہ نازل ہوتا رہا۔ اس میں دو امور نمایاں طور پر سامنے آتے رہے۔ اول یہ کہ ایمان و یقین کی دولت سمیٹنا حقیقی شرف انسانیت ہے۔ لہذا اس کے تمام اجزائے ترکیبی کے ساتھ اس دولت کو سمیٹنا لازمی ہے چنانچہ اس کے بنیادی اصول توحید، رسالت اور معاد کا مقام انسان کے دل و دماغ میں بٹھانے کے لیے مکی سورتوں میں مختلف اسلوب بیان اختیار کر کے کبھی اجمال اور کہیں تفصیل سے بیان کئے گئے دوم یہ کہ اس حصے میں اس دولت کی حفاظت کی خاطر کھلے اور مخفی دشمنوں کی نشاندہی کی گئی، چنانچہ سورہ بنی اسرائیل جو مکی سورت ہے اس میں واضح الفاظ میں بتایا گیا جس سے مقصد یہ تھا کہ انسان کو اس دشمن سے متعلق خبردار کر دیا جائے جو دولت ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے کا چیلنج دے چکا ہے۔ پھر سورہ ص جو مکی سورۃ ہے اس میں دوسرے دشمن کی نشاندہی کرتے ہوئے حکم دیا گیا۔

کہ نفس اور اس کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا ورنہ راستہ سے بھٹک جاؤ گے۔ یہ دو آیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ قریباً ہر مکی سورۃ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ان دو دشمنوں کی نشاندہی کسی نہ کسی رنگ میں کر دی گئی ہے۔

سورۃ الناس میں یہ حقیقت بتائی گئی کہ شیطان کی ذریت دو نوع کی ہوتی ہے۔ ایک جنوں میں سے اور دوسری انسانوں میں سے۔ حقیقت کے اعتبار سے ابلیس کا تعلق جنوں کی نوع سے ہے۔ مگر انسانوں میں سے جو اس کے ہتھے چڑھ جائے وہ اسکی خصوصی تربیت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ہر طرح سے ابلیسیت میں فنا کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ایسے لوگ صورت انسان ہوتے ہوئے حقیقتاً شیطان کی ذریت شمار ہوتے ہیں۔ اور بعض سادہ لوح انسان انہیں واقعی انسان سمجھ کر ان سے رابطہ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے ایک اور مکی سورۃ یعنی سورۃ کہف میں استعجاب کے رنگ میں حضرت انسان سے مدلل کیا گیا ہے کہ کتنی تعجب کی بات ہے کہ انسان اپنے دشمن اور اس کی ذریت کے ساتھ دوستی کے تعلقات استوار کرنے لگے اور مجھے جو امن کا حقیقی خیر خواہ ہوں چھوڑ بیٹھے۔

مکی زندگی میں مسلمانوں کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ دو ہی

تین باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔

اول :- ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہو۔

دوم :- حلال اور طیب غذا کا اہتمام کرو۔

سوم :- کہ نااہلوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

قسم کے تھے۔ ایک وہ جو اس دعوت کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے وہ باہم دگر دل و جان سے دولت اور جان نثار تھے۔ دوسرے وہ جو اس دعوت کو قبول کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے وہ مسلمانوں کے دشمن بن گئے اور ایسے دشمن کہ اس فن میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔ اور دشمنی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ طیبہ میں ایک منظم جماعت کی صورت میں رہنے لگے اور میثاق مدینہ کے ساتھ ان کی حیثیت ایک صاحب اقتدار قوم کی ہو گئی تو یہاں ان کی مخالفت کے لیے ایک اور جماعت میدان میں آ گئی۔ سوال یہ ہے کہ یہ جماعت کہاں سے آ ٹپکی۔ تو اس کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ میں مشرکین کے دو عظیم قبیلے اوس اور خزرج اقتدار کی جنگ لڑ رہے تھے۔ مگر وہاں ایک اور جماعت بھی بستی تھی۔ جسے یہود کہتے تھے۔ اس جماعت کو مال و دولت، علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مشرکین پر برتری حاصل تھی۔ سب اس کو تسلیم کرتے تھے مسلمانوں کے یہاں آنے سے میثاق مدینہ کی وجہ سے مشرکین اور یہود دونوں کا برتری کا طلسم ٹوٹنے لگا۔ یہود کو بالخصوص یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کی برتری کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تو بزدل مشرکین اور یہود نے ایک خفیہ تحریک چلائی کہ بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمان برادری میں شامل ہو جائیں تاکہ انکے رازوں سے واقفیت ہوتی رہے۔ اور اندر سے اسلام دشمنی کی روش پر قائم رہیں۔ اس دورخی جماعت کو اسلام نے منافق کی اصطلاح سے یاد کیا ہے۔ منافقین نے پورے طور پر منظم ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پلاننگ شروع کر دی حتیٰ کہ و شداری کے مجلس میں دین کے خلاف سازش کرنے کے لیے ایک مسجد بھی تعمیر کر دی (جسے مسمار کر دیا گیا) اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام

کی ساری تاریخ شاہد ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو تحریکیں دینداری کے بھیس میں اٹھیں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔

مدینہ اور اس کے نواح میں یہود کے تین بڑے مالدار اور منظم قبیلے بستے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ۔ یہ مال و دولت اور علم و حکمت کے علاوہ عسکری حیثیت سے بھی بہت آگے تھے۔ مضبوط قلعے اور اسلحہ کی فراوانی اور فن سپہ گری میں یہ خاص امتیازی شان رکھتے تھے۔

مشرکین مکہ گو حضورؐ کی زندگی میں بظاہر اسلام کے اصل حریف نظر آتے ہیں لیکن ان کی حیثیت اعضاء جوارح کی تھی۔ اس دشمنی میں یہود مدینہ ہی دراصل دماغ کا کام کر رہے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم کی مکی صورتوں میں مشرکین کے کئی سوالات کا ذکر ہے جو دراصل یہود کے سکھائے ہوئے تھے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں روح کی حقیقت کے متعلق سوال اور سورہ کہف میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال یہود ہی نے اہل مکہ کو سکھائے تھے۔ گویا مکہ میں بھی اسلام کے خلاف جو لہر اٹھی تھی اس کے وجود میں لانے میں یہود مدینہ ہی کا ہاتھ ہوتا تھا۔ مکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کے سلسلے میں جو تحریک ہوتی تھی اس کا نقشہ یہود کے ہاتھوں مدینہ میں تیار ہوتا تھا۔

مکی دور میں اللہ کریم نے ایمان و یقین کے دو دشمنوں کی نشاندہی فرمادی تھی۔ وہ دور انفرادی زندگی کا تھا ان دشمنوں کا طریقہ واردات بھی بالعموم انفرادی نوعیت کا ہوتا تھا۔ مدینہ میں اجتماعیت بھی آگئی۔ اور اقتدار و اختیار بھی حاصل ہو گیا سیاسی اور تمدنی برتری حاصل ہوئی تو ان دشمنان قدیم کے ساتھ دو اور دشمن بھی شامل ہو گئے۔ یعنی یہود اور منافق جو دراصل مشرک ہی تھے۔ چنانچہ قرآن کریم کی مدنی سورۃ المائدہ میں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ یعنی اے مسلما تو تمہارے بدترین دشمن دنیا میں صرف دو ہیں یہود اور مشرک۔ یہ نشاندہی کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس پر غور کیجیے۔ یعنی تاکید پہ تاکید کہ تمہارے بدترین دشمن دو ہیں۔ پھر ان میں ترتیب دیکھئے۔ پہلے یہود کا ذکر ہے پھر مشرکین کا۔ حالانکہ مشرکین کی عملی مخالفت کا سلسلہ تو مکہ میں پہلے شروع ہو چکا تھا۔ پھر اس ترتیب میں یہود کا نام پہلے کیوں آیا۔ اس لیے مشرکین مکہ کی دشمنی کا اصل مرکز یہود مدینہ کا دماغ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بنا پر اللہ کریم نے ترتیب اعداء میں یہود کا نام سرفہرست رکھا ہے۔

اس ترتیب کی حکمت ایک اور تاریخی واقعہ سے بھی سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یوں کہ مکہ کے پہلو میں حدیبیہ کا مقام ہے۔ حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کے ساتھ معاملہ طے کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔ ان کے قتل کی افواہ گرم ہوتی ہے۔ تو اہل مکہ کو اس کا مزا چکھانے کیلئے بیعت رضوان ہوتی ہے۔ مسلمان اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ مگر حکم الٰہی ہوتا ہے جب دشمن کے گھر کے دروازے پر تم پہنچ چکے ہو اسے فی الحال چھوڑ دو اور اس دشمن کی خبر لو جو مکہ میں نہیں بلکہ تمہارے گھر مدینے سے ۲۶ میل کے فاصلے پہ ہے۔ چنانچہ مسلمان مشرکین مکہ سے صلح کر کے (جسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔) سیدھے خیبر روانہ ہو جاتے ہیں۔ جو یہود کی سازش کا گڑھ بن چکا ہے۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کی ترتیب حقیقی ہے۔

اب ہمیں تاریخ اسلام سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ کریم کا ارشاد دعویٰ نہیں بلکہ ایک زندہ تاریخی حقیقت ہے۔

یہود کی اسلام اور مسلمان دشمنی

میثاق مدینہ میں یہودیوں نے اپنے آپ کو دو امور کا پابند رکھنے کا معاہدہ کیا تھا۔ اوّل یہ کہ یہودی امن پسند شہری کی حیثیت سے مسلمانوں کے ماتحت اور اپنے مذہب پہ قائم رہیں گے۔ دوم یہ کہ اگر کوئی باہر سے آ کر مدینہ پہ حملہ کرے تو اس کے مقابلہ میں یہود اور مسلمان باہم معاون و مددگار ہوں گے۔ جہاں تک دین و مذہب کا تعلق ہے یہودی علماء نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات اور حضور اکرمؐ کی ذات کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا۔ ان کے علماء باقاعدہ طور پہ اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کرتے تھے۔ مالک بن صعت جو بہت بڑا یہودی عالم اور سردار قوم تھا۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آج تک کسی بشر پہ کوئی کلام نہیں اتارا۔ دوسرا بڑا عالم شاس بن قیس لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں بڑا انہماک رکھتا تھا۔ ایک روز اس نے اوس و خزرج کو یکجا خوش خوش بیٹھے دیکھا تو جنگ بعاث کا

قصہ چھیڑ دیا وہ قصائد پڑھنے شروع کر دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے۔ حضور اکرمؐ کو بروقت اطلاع مل گئی۔ آپ تشریف لائے اور یہ فتنہ فرو کیا۔

علماء یہود جان بوجھ کر حضورؐ سے الٹے سیدھے سوال کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شک اور تردد پیدا ہو جائے۔

جہاں تک دوسرے امور کا تعلق ہے یہود نے نہ صرف معاہدہ کی خلاف ورزی کی بلکہ جب کبھی موقع ملا دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑے۔

۱۔ مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبیلے بستے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع وہ پہلا قبیلہ ہے جس نے معاہدہ امن و صلح کو توڑا اور ۲ھ میں مسلمانوں سے جنگ کی۔ حضور اکرمؐ نے انہیں شہر بدر کر دیا۔ یہ قبیلہ زرگری کرتا تھا اور بڑا امیر تھا۔

۲۔ ۴ھ میں قبیلہ بنو نضیر نے حضور اکرمؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضور اکرمؐ کو بذریعہ وحی اطلاع مل گئی۔ حضورؐ نے محمد بن مسلمہ کو ان کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میرے شہر مدینہ سے نکل جاؤ۔ یہاں اب تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ تم نے غداری اور نقض عہد کیا ہے۔ دس دن کی مہلت ہے۔ مگر وہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے لگے۔ وہ صرف پندرہ دن تک رہا۔ آخر وہ شہر سے نکل جانے پر راضی ہو گئے اور خیبر کی راہ لی۔

۳۔ بنو نضیر نے جلاوطنی کے بعد قریش مکہ کو جنگ کے لیے ابھارا اور فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے مختلف جمعیتیں تیار کریں۔ حتیٰ کہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو عہد شکنی پر آمادہ کر لیا۔ اور ۵ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر بنو قریظہ نے علانیہ اہل مکہ کا ساتھ دیا۔ حضور اکرمؐ نے غزوۂ خندق سے واپس آ کر ہتھیار کھول دیئے۔ جبریل امین آئے عرض کیا ملائکہ نے تو ہتھیار نہیں کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ۲۱ دن تک محاصرہ رہا۔ آخر یہ طے ہوا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں یہود کو قبول ہوگا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ ہر جنگ کے قابل شخص کو قتل کیا جائے۔ باقیوں کو قیدی بنایا جائے اور ان کا سامان مجاہدین میں تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق عمل کیا گیا۔ اور بنو قریظہ کو غداری اور بدعہدی کی سزا مل گئی اور مدینہ میں یہود کا کوئی مرکز نہ رہا۔

۴۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب بیعت رضوان ہوئی تو اہل مکہ کے خلاف لڑنے کے لیے جان دینے کی بیعت ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان جاں نثاروں کو ان کی زندگی میں ہی اپنی رضا کی بشارت دیدی، اور ساتھ ہی حکم دیدیا کہ مشرکین مکہ سے جنگ کرنے کے لیے تم نے اپنی جان کا ہدیہ پیش کرنے کا عہد تو کیا ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری ایک اور جنگ ہے اور اس سے بھی بڑا ایک اور دشمن ہے پہلے اس کی خبر لو اور وہ ہیں خیبر کے یہود اس جنگ میں فتح کی بشارت بھی دیدی۔

اور جنگ میں صرف بیعت رضوان میں شامل ہونے والوں کو جانے کی اجازت دی۔

خیبر ان یہود کی سازش کا گڑھ تھا جو مدینہ وغیرہ سے "ہجرت" کر کے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ اور یہاں ان کے بارہ مستحکم قلعے تھے اور وافر صورت میں سامان جنگ موجود تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہود کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ اس فتح کے بعد یہود کو میدان میں آ کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور ان کی تمام سازشوں اور کوششوں کا سلسلہ زیر زمین چلا گیا حضور اکرمؐ کے بعد شیخین کے دور میں یہود زیر زمین سازشیں کرتے رہے جب حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران و روم کی دو سپر طاقتیں جب میدان چھوڑ بیٹھیں اور بیت المقدس فتح ہو گیا تو اہل کتاب نے بالعموم اور یہود نے بالخصوص یہ محسوس کر لیا کہ میدان میں نکل کر مسلمانوں کو شکست دینا کسی طرح ممکن نہیں تو انہوں نے یہ طے کیا کہ عمرؓ کی شخصیت اگر راستے سے ہٹا دی جائے تو شاید کوئی تدبیر کارگر ہو سکے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت میں یہود ہی کی سازش کا ہاتھ تھا چنانچہ یہود کے دل کی خفیہ آگ ان کے ایک شاعر نے یوں اگل دی۔

مع باآل عمر کینہ قدیم است عجم را

عمر کیا تھا؟ اسلام کا Symbol اور کینہ اسلام کے حق میں ہے۔ اور اسی کی وجہ سے مسلمانوں سے دشمنی یہود کی دیرینہ بیماری ہے۔

والہانہ عقیدت

کا والہانہ انداز

سلطان الاذکار

حُسن ظاہر سے تیرے روشن جہان رنگ وبُو
پر جمال باطنی کی ضُوفشانی اور ہے

دیکھتی ہے آنکھ، گُنبد کو کبھی، در کو کبھی
دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے

بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحر رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے

چاہنے والوں سے چُھپنا ہے وطیرہ حُسن کا
گھر پر تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

تیری طاعت میں ہے لُطفِ زندگی بیشک فقیرؔ
کیف آگیں لذت دردِ نہانی اور ہے

قلب کی ضوفشانی

کہانی روح کی رفعت

روانی اور سِری کیفیت

چھپنا وطیرہ حسن خفی لطیف

میزبانی اور۔ اخفا حقیقت

آگہی نفس۔ دردِ نہانی

حسنِ ترتیب سے ذکر کا انعکاس مرتّب ہوتا ہے۔

جنابِ والا!

السلام وعلیکم!

ایک دور تھا محسن کاکوروی کا، جنہوں نے حمد اور نعت کے میدان میں اُردو زبان میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا اور نقاد حضرات تو اُن کو اِس میدان میں اوّلیت کا شرف عطا کرتے ہیں اگرچہ میں کسی حد تک اردو ادب کی تاریخی تاریخ کے پس منظر میں اِس سے اختلاف کرتا ہوں۔ اِس لیے کہ اُس سے پہلے لکھنے والے خاص طور پر وسطی اور جنوبی مغربی ہندوستان میں قلمکار اور صوفیا اپنی تحریروں میں حمد اور نعت میں اپنے جوہر دکھایا کرتے تھے اگرچہ قلی قطب شاہ، سراج اورنگ آبادی اور ملا وجہی کے ہاں کافی اچھے اشعار مل جاتے ہیں۔ جدید دور میں مولانا ظفر علی خان کی قادر الکلامی اور جذب و مستی کا طلسم اُنکی ہے اور "پہنچتا ہے ہر اک میکش کے آگے، دورِ جام اُسکا" اور مولانا حالی کی مسدس میں والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر صاحب ہم پر تو ایک وجد سا طاری ہو گیا جب:

— — — — — — — — —

پُر جمالِ باطنی کی ضَو فشانی اور ہے

دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے

بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے

کیف آگیں لذتِ دردِ نہانی اور ہے

آہستہ آہستہ رُوح میں اُتر جانے والی یہ کیفیت جوان رواں دواں سُبک سبک اشعار کو پڑھنے سے طاری ہوتی ہے اس کا لطف بار بار لے رہا ہوں۔ اس سے اگلے ہی دن نوائے وقت میں دلاور فگار صاحب کا ہدیہ عقیدت پڑھنے کو ملا بلاشبہ دلاور فگار ایک مشہور ادیب اور قلمکار ہونے کے ناطے فنِ شعر پر عبور رکھتے ہیں۔ مگر جو لُطف و سرور اور جذب و مستی مندرجہ بالا شعروں کو پڑھنے سے ملتی ہے اس کا لُطف ہی کچھ اور ہے یہاں خوب سے خوب تر والی بات پائی جاتی ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسے ہر شخص خارجی محرکات کو مختلف شدت سے محسوس کرتا ہے، اسی طرح محسوسات کی شدت اور ادراک کی گہرائی اور گہرائی کا جو والہانہ انداز آپ کے ہاں ہے وہ صرف اور صرف آپ ہی کا حصہ ہے اس کوشش پر۔ بلکہ وجدانی کوشش پر آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اداریہ میں آپ نے بنیادی تجزیہ کے بعد آسان مگر جامع حل دیا ہے" تو یہ دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث کے ناموں سے جو تقسیم اور تفریق کا عمل ہے جو ہمیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیے ہوئے ہے اِس کی کوئی حیثیت نہیں" آج کے افراتفری، انتشار اور نفسا نفسی کے دور میں اتنی صاف اور شفاف بات کرنا ہمیں اپنی اساس کی طرف لے جاتا ہے۔

ماشاءاللہ!

کاش ایسا کرنے والے اِس سیدھی سی حقیقت کو سمجھ جائیں کہ اسلام کا پیغام ہمہ گیر ہے اور آپ نے اداریہ میں جس خلوص اور دردمندی سے اس کی تلقین کی ہے۔ اس کو ایک اصول بنا کر ہمیں آگے بڑھنا ہو گا۔

والسّلام

نیازمند

پروفیسر وسیم بیگ مرزا۔

صحبت صالح

مولانا محمد اکرم

صحبت بد سے صرف بچنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صالح لوگوں کی تلاش کر کے ان کی صحبت میں بیٹھنے کا اہتمام بھی کیا جائے۔ کیونکہ صرف تخریب سے بچنا ہی ضروری نہیں بلکہ تعمیر کا عمل جاری رکھنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ قرب و ترقی کی طرف قدم بڑھتے رہیں۔

خواجہ محمد معصومؒ

تبلیغی مساعی

ڈاکٹر عبدالغنی

داراشکوہ کے حالات کا مطالعہ صرف اورنگ زیب عالمگیر کے حوالے سے نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس عظیم تحریک احیائے اسلام کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے جو اکبر کے الحاد پرور مشاغل اور بعض لوگ نواز ارباب تصوف کے طور طریقوں کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آپ کے معاصر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شروع کی تھی اکبر نے جو حالات پیدا کئے تھے ان کے متعلق حضرت مجددؒ کا یہ فقرہ ذہن میں رکھنا کافی ہے۔

"در قرن ماضی کفار بر ملا بطریق استیلاء
اجرائے احکام کفر در دار اسلام می کردند
مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند"

(مکتوبات دفتر اوّل حصہ دوم ص ۲۳)

شاہی حمایت کی وجہ سے جہاں اہل ہنود کا استیلا ہوچکا تھا وہاں بعض صوفیہ کی رواداری کے باعث مسلمانوں کی دینی زندگی میں یوگ اور ویدانت کا نفوذ بھی جاری تھا سلسلہ مداریہ میں ہندو دیوتاؤں کی جو پوجا ہوتی تھی اس کا ذکر اس لحاظ سے موزوں نہیں کہ ان لوگوں نے شریعت کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا تھا ہم صرف شطاری بزرگوں کی طرف اشارہ کریں گے جو پابند شریعت ہوتے ہوئے بھی یوگ کے اشغال و اطوار اختیار کرلیا کرتے تھے ان حالات کی بناء پر خالص اسلام کی طرف عود کرنے کی تحریک بڑے زور شور سے شروع ہوئی اور جب داراشکوہ کی عمر ۱۴ برس کے لگ بھگ تھی اس وقت اس تحریک کا ہر طرف چرچا تھا علماء و مشائخ، عوام اور مغل امراء کی غالب اکثریت بھی دل و جان سے اس کی حامی تھی۔ حضرت مجددؒ کا وصال ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء کو ہوا۔ اور دو روز بعد یکم ربیع الاول یعنی ۱۲ دسمبر کو آپ کے فرزند خواجہ محمد معصومؒ ۲۶ سال کی عمر میں آپ کی مسند پر بیٹھے۔ داراشکوہ کی عمر اس وقت صرف دس سال تھی وہ تو ابھی مہد نعمت و ناز میں پرورش پا رہا تھا مگر خواجہ صاحبؒ علوم معقول و منقول میں حصول کمال کے بعد فقر کے مدارج علیا طے کرچکے تھے اور ہر لحاظ سے اس قابل تھے کہ احیائے اسلام کی محولہ بالا تحریک کو چلائیں ۔ چنانچہ انہوں نے وسط ایشیا، بلاد عرب اور برصغیر میں اس تحریک کو بڑی شد و مد کے ساتھ پھیلایا۔ حضرت مجددؒ اور شیخ محدثؒ دونوں نے جہاں متابعت سنت نبوی پر زور دیا وہاں تصوف کی بھی ہر طرح شرع مصطفویؐ سے تطبیق دی۔ خواجہ معصوم نے بھی انہی مقاصد کو مطمح نظر بنایا اور جب انہوں نے بڑی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی مساعی کو لگاتار تیس سال تک جاری رکھ کر تجدید و احیائے دین کا کارنامہ اپنے خیال کے مطابق انجام دے لیا تھا اور سرہند شریف احیائے اسلام کی تحریک کا صحیح معنوں میں سرچشمہ بن چکا تھا تو داراشکوہ کے دل میں وہی تخم الحاد پھوٹ پڑا جس کی پرورش اکبر نے کی تھی اگرچہ

بڑھ کر تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا تو اس کا زہر آلود سایہ اس ہری بھری فصل کو خاک سیاہ میں تبدیل کر کے رکھ دیتا جس کی آبیاری حضرت مجددؒ اور شیخ محدثؒ شیخ عبدالوہاب متقیؒ اور خواجہ محمد معصومؒ نے کی تھی۔

روضۃ القیومیہ (ترجمہ اردو ص ۸۵، ۸۶) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ داراشکوہ کی اس روش کی وجہ سے خواجہ صاحبؒ کو سخت تکلیف پہنچی آپ نے دیکھ لیا کہ اگر داراشکوہ کے یہی لیل و نہار رہیں تو برصغیر میں اسلام کو اکبر کے زمانے سے بھی زیادہ صعب ناک آزمائش سے گزرنا پڑے گا اس لیے کہ اکبر کے مقابلے میں داراشکوہ ایک فاضل انسان تھا عربی فارسی اور سنسکرت تینوں زبانوں پر اسے یکساں عبور حاصل تھا۔

شاہجہان کا زمانہ برصغیر میں نقشبندی اور قادری سلاسل تصوف کے عروج کا زمانہ ہے۔ سرہند شریف میں اگر خواجہ محمد معصومؒ اپنے نقشبندی سلسلے کو ترقی دے رہے تھے تو مدینۃ الاولیاء لاہور میں قادری سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ حضرت میاں میرؒ اپنے فیوض و برکات ہر طرف پھیلا رہے تھے۔ حضرت میاں میرؒ کتاب و سنت کے پوری طرح پابند تھے۔ علاوہ ازیں آپ کی ذات میں فقر محمدی کے مطابق ترک و تجرید کا ایک ایسا عجیب نمونہ پایا جاتا تھا کہ جہانگیر جیسے بادشاہ نے بھی اپنی توزک میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

"ہر چند خواستم نیازے بگذرانم چوں پایۂ ہمت ایشاں را ازاں عالی تر یافتم خاطر اظہار ایں مطلب رخصت نداد"

دیکھئے جہانگیر ملاقات کے وقت حضرت میاں میرؒ کے فقر سے ایسا مرعوب ہوتا ہے کہ نذر و نیاز پیش کرنے کا تو کر بھی زبان پر نہیں لا سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہجہان، داراشکوہ اور شہزادی جہاں آرا بیگم آپ کے بڑے معتقد تھے۔ داراشکوہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو جوتے اتار دیتا تھا اور اس نے آپ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ "سکینۃ الاولیاء" ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء میں لکھا جب اس کی عمر ۲۸ سال تھی اس سے پہلے قادری اور دوسرے سلاسل کے بزرگوں کے حالات کے متعلق اس نے ایک رسالہ سفینۃ الاولیاء" (۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء) میں تصنیف کیا تھا ان دونوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ داراشکوہ ایک حنفی العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے قادری سلسلہ کا بڑا دلدادہ تھا یہاں تک تو اس کی کوئی بات قابل اعتراض نہ تھی بلکہ قادری بزرگوں سے عقیدت نہ صرف اس لیے بلکہ مسلمانان برصغیر کے لیے ایک نیک فال ثابت ہو سکتی ہے۔

لیکن ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں حضرت میاں میرؒ کا وصال ہو گیا اور داراشکوہ نے ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں حضرت ملا شاہ قادریؒ کی کشمیر میں بیعت کر لی۔ آپ حضرت میاں میرؒ کے خلیفہ تھے اور حصول خلافت کے بعد کشمیر میں مقیم ہو گئے تھے آپ کا مزار مقبرہ میاں میرؒ کے باہر لاہور میں واقع ہے طبیعت پر ثنائے ذات اور توحید کا غلبہ تھا نہ صرف آپ بلکہ آپ کے مرید بھی توحید وجودی کے حال و قال سے سرشار تھے اس لیے بعض ہندو موحد یعنی ولی رام ولی اور بیغم بیراگی بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے اپنی مثنوی میں بیراگی کہتا ہے

وہ چہ خوش فرمود ملا شاہ ما
شاہ ما آں عارف آگاہ ما
سین انساں گر نبودے درمیاں
اول و آخر نہ بودے غیر آں

یہی وحدت الوجودی مسلک اور یہی ہندو موحد داراشکوہ کی گمراہی کا موجب بنے۔ چندر بھان برہمن داراشکوہ کا منشی تھا اس کا مشرب بھی یہی تھا "نشۂ توحید" سے سرشار ہو کر داراشکوہ فکری لحاظ سے ان سرحدوں میں پہنچ گیا جو "خالص اسلام" کی اس تحریک کے لیے سخت خطرہ کا موجب تھیں جس کی قیادت ان دنوں خواجہ محمد معصومؒ سرہندی کر رہے تھے داراشکوہ کے افکار میں جو تبدیلی رونما ہوئی اس کا جائزہ ذرا تفصیل سے لینا ضروری ہے۔

اکبر نے عبادت خانہ قائم کیا تھا جہاں وہ تمام مذاہب کے علماء کو مذہبی مسائل پر بحث مباحثہ کی دعوت دیا کرتا تھا مسلمان علماء میں ادیان کے تقابلی مطالعہ کی کمی دیکھ کر اس نے ابوالفضل کی مدد سے دین الٰہی تیار کیا اب ہندو موحدین کے زیر اثر اکبر کم و بیش ایک صدی بعد اکبر کا سال تخت

نشتی ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء ہے) دارا شکوہ نے "اسرار توحید" سمجھنے کے لیے پنڈتوں، سنیاسیوں اور یوگیوں سے تبادلۂ خیالات شروع کیا۔ بنارس اس کی حکومت میں تھا۔ دارا شکوہ کے نزدیک یہ علم کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس لیے بڑے احترام کے ساتھ وہ اپنی کتاب "سر اکبر" میں اسے "دار العلم" کہتا ہے۔ وہاں کے چوٹی کے پنڈتوں اور سنیاسیوں کو وہ لال قلعے کے اندر بلاتا تھا اور ان سے توحید کے متعلق گفتگو کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ دارا شکوہ کے میر منشی چندر بھان نے "مطالعہ دارا شکوہ و بابا لال" کے نام سے اس قسم کی ایک گفتگو کو قلم بند بھی کیا جس میں یوگ کے فلسفہ کا ذکر ہے۔

اس تبادلۂ خیالات نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا جس شہزادے نے ابتداء میں حضرت میاں میرؒ جیسے باکمال صوفیٔ اسلام کے فقر کو حاصل زندگی سمجھا تھا اب ہندوؤں کے فلسفہ میں اسے راہِ نجات نظر آنے لگی ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء میں اس نے رسالہ "حق نما" تصنیف کیا جس میں اس نے بعض ایسی باتیں لکھیں جن پر اہل شریعت معترض ہوئے اس لیے "شطحیات" یا "حسنات العارفین" کے نام اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے خیال کے مطابق رسول کریمؐ اور صحابہ کرامؓ اور مشہور مشائخ کے حالتِ جذب میں کہے ہوئے حقیقی یا وضعی اقوال درج کیے اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسالہ "حق نما" میں جو کچھ اس نے لکھا ہے بالکل درست ہے اور یہ تمام وجد اور ذوق کی رو سے کلمات بلند اور حقائق و معارف ہیں جو اس نے بیان کیے ہیں لیکن زیادہ کھل کر اس نے اپنے خیالات "مجمع البحرین" میں بیان کیے ہیں جو ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء میں تصنیف ہوئی اس میں اس نے ہندومت اور اسلام کے درمیان فکری سطح پر اختلافات مٹانے کی کوشش کی اس کے دیباچے میں پنڈتوں کے ساتھ صحبتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"با بعضے از محققان این قوم کہ کاملان ایشان
کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک و فہمیدگی
و غائت تصوف و خدا یابی رسیدہ بودند کرر صحبتہا
داشتہ و گفتگو نمودہ جز اختلاف لفظی فرق دریافت
و شناخت حق تفاوتے ندیدہ از این جہت
سخنان فریقین را باہم تطبیق دادہ ......
رسالہ ترتیب دادہ ..... بہ مجمع البحرین
موسوم گردانید"

اس رسالہ میں خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ م ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء کے اس قول کا دارا شکوہ نے سہارا لیا کہ "اگر کوئی بہت بڑا مجرم کافر بھی توحید کے متعلق نغمہ سرائی کر رہا ہوگا تو میں اسے سنوں گا" لیکن دارا شکوہ یہ نہ سمجھ سکا کہ توحید کے متعلق قرآنی افکار محض ویدانت کا چربہ نہیں اور نہ ہی اس کی یہ تطبیق اسلام اور ہندومت کو ایک ہی حقیقت کے دو مختلف مظہر ثابت کر سکتی ہے اپنے خیال میں ان دو ہم جنس مظاہر کے باہمی ملاپ سے اس نے اسلام اور ہندومت کے امتیاز کو مٹا دینا چاہتا تھا اور اس تحریک کو بے معنی قرار دے دیا تھا جو حضرت مجددؒ نے محض اس لیے شروع کی تھی کہ رام اور رحیم ایک نہیں یعنی دارا شکوہ کے نزدیک حضرت مجددؒ کی یہ تحریک اس لیے بے حقیقت اور ضرر رساں تھی کہ اس کا مقصد دو ہم جنس سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا تھا بنا بریں خواجہ محمد معصومؒ کا دارا شکوہ کے ان خیالات سے پریشان ہونا بالکل قدرتی امر تھا۔ آپ خالص اسلام کے علمبردار تھے۔ انسان کی فکری اور روحانی زندگی کے لیے اسے کافی اور وافی سمجھتے تھے اور نہ تو اس میں کسی قسم کی آمیزش کے روادار تھے نہ کسی اور مذہب یا نظام فکر کو اسلام کا ہم پایہ خیال کرتے تھے۔ ادھر "مجمع البحرین" کی تصنیف نے وضاحت کر دی تھی کہ دارا شکوہ کے نزدیک اسلام اور ہندومت کی حیثیت بالکل مساویانہ ہے۔ خواجہ محمد معصومؒ کی حقیقت بین نگاہوں نے بھانپ لیا کہ اگر ان خیالات کی اشاعت برصغیر میں ہو گئی تو پھر اسلام نے اپنی علمی اور فکری تاریخ میں جو کچھ کیا تھا بیکار ہو کے رہ جائے گا غزالیؒ کی احیاء العلوم دھری کی دھری رہ جائے گی اور مکتوبات امام ربانی کے اوراق خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اڑ جائیں گے۔

دارا شکوہ کے خیالات میں یہ تبدیلی زیادہ شدت کے ساتھ "سر اکبر" میں ظاہر ہوئی جو اس نے ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء میں مکمل کی۔ یہ کہ تقریباً پچاس ابواب کا ترجمہ تھا جو اس نے بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا تھا اس

کے خیال کے مطابق اس میں جمیع اسرار سلوک اور اشتغال توحید درج تھے "سرِ اکبر" کے دیباچے میں وہ کہتا ہے کہ "میری نظر اصل وحدت ذات پر ہے عربی، سریانی، عراقی یا سنسکرت زبانوں پر نہیں اس لیے میں نے بے غرضانہ ترجمہ کر دیا"

کہ یہاں جس کتاب مکنون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد نہ زبور ہے نہ توریت نہ انجیل بلکہ:۔

"از تنزیل چنیں ظاہر می گردد کہ درحق لوح محفوظ ہم نیست چوں اپنکھت کہ سرِ پوشیدنی است و آیت ہائے قرآن مجید بعینہ دراں یافتہ می شود پس تحقیق شدہ کتاب مکنون ایں کتاب قدیم باشد"

سبحان اللہ! داراشکوہ کے خیال کے مطابق کتاب مکنون سے مراد یہی اپنکھت (اپنشد) ہے اور قرآن مجید کی آیات بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں۔ اب داراشکوہ کیلئے فکری لحاظ سے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی مجمع البحرین میں اس نے عناصر، حواس، صفات الٰہی، نبوت ولایت اور عالم برزخ وغیرہ کے متعلق تصوف اور یوگ کے افکار میں یکسانیت ثابت کی تھی اور اب "سرِ اکبر" کی صورت میں اس کی تحقیق نے وہ کتاب مکنون بھی ڈھونڈ لی تھی جس کے متعلق قرآن مجید نے محض اشارہ کر دیا تھا اور اس سے پہلے ایک ہزار سال کے دوران کسی مسلمان محقق کو توفیق نصیب نہ ہوئی کہ اس "حقیقت" تک رسائی حاصل کر لیتا۔ اب ویدانت اور ہندومت کی صداقت میں کیا شک ہو سکتا تھا جو علماء انہیں جھٹلاتے تھے حقیقت میں "جاہل" تھے "رہزن راہ خدا"، تھے (رہزن راہ خدا اور جاہل داراشکوہ کے اپنے الفاظ ہیں)

شبلی نعمانی نے "سرِ اکبر" کے اس دیباچے کو پڑھ کر اگر یہ لکھ دیا تھا کہ "داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا" (مقالات شبلی جلد ہفتم ص ۱۰۱) تو چنداں غلط نہیں۔ داراشکوہ نے اپنی عقیدت کا آغاز میاں میرؒ جیسے جلیل القدر مسلمان صوفی سے کیا تھا مگر اس کی ارادت مندی انجام کار اسے بابا لال داس جوگی کے چرنوں میں لے گئی تھی وہ فقر اسلامی کی برتری کا جذبہ لے کر میدان تحقیق میں اترا تھا مگر

رزق حلال

اخذ فیض کے لیے طالب کا صرف متوجہ ہونا کافی نہیں۔ بلکہ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اعمال کے ذریعے اپنے اعضاء جوارح میں۔ اپنے وجود میں اخذ فیض کی استعداد بھی پیدا کرے۔ ان اعضا جوارح سے اعمال صالح کے لیے اکل حلال شرط ہے۔ طیب غذا درکار ہے یہ کہ اس سے خون صالح پیدا ہو جو جسم کو اعمال صالح کی تحریک کرے۔ حرام غذا سے جو خون پیدا ہوگا وہ لازماً اعمال بد کے لیے محرک ثابت ہوگا۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

اس پر آخر کار یہ بات منکشف ہوئی کہ قرآن و حدیث سے پہلے ایک کتاب مکنون ہندوستان میں موجود تھی جس میں بعینہ قرآنی آیات اور صریحاً حدیث نبوی موجود تھیں۔ اب کیا یہ کہنا درست نہیں کہ داراشکوہ کے اندر سے ایک زنارپوش پنڈت بول رہا تھا اسے اسلام خالص سے کوئی نسبت نہیں تھی اس کی دلی آرزو تھی کہ جمیع مسلمانان برصغیر اپنکھت اور یوگ کے متعلق وہی اعتقاد قائم کریں جو اس کا ولی عہد سلطنت داراشکوہ ہے۔ ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء میں اسے سرکار حصار عطا ہوئی تھی جو صرف ولی عہد کو ملتی تھی اور ۱۰۶۶ھ تک جب وہ پنڈتوں اور سنیاسیوں کے ساتھ مل کر اسلام کی شدھی میں مصروف تھا وہ چالیس ہزار ذات کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا اور اس طرح تمام بھائیوں سے سبقت لے گیا تھا اس لیے خطرہ تھا کہ بقول شبلی نعمانی اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہو جاتا تو اسلامی شعائر اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے صرف یہی نہیں بلکہ وہ پورا زور لگا دیتا کہ مسلمان شدھ ہو جائیں۔

مندرجہ بالا حقائق اور اقتباسات کے زیر نظر یہ رائے

قائم کرنا قطعاً بے جا نہیں۔ شبلی نعمانی جیسا بالغ نظر مورخ جب آج یہ رائے قائم کر سکتا ہے تو اس زمانے میں تمام حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اور جملہ کوائف سے پوری طرح آگاہ ہو کر خواجہ محمد معصومؒ ایسا صاحب بصیرت قائد ملت کس طرح ان تمام امکانات سے بے خبر رہ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خواجہ صاحبؒ کو نہ صرف اپنی اور اپنے گرامی قدر والدؒ کی مساعی تجدید و اصلاح پر پانی پھرتا نظر آیا بلکہ انھوں نے دیکھا کہ اب برصغیر میں خود اسلام کا مستقبل بے حد مخدوش ہو چکا ہے۔

"روضۃ القیومیہ" کے مندرجہ بالا اندراجات پر غور کرنے سے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ مستقبل کے ان بھیانک امکانات کی وجہ سے پریشان ہو گئے۔ آپ نے مسند نشین ہونے کے بعد بڑی بلند ہمتی سے کام لے کر اپنے والد بزرگوار کے کام کو آگے بڑھایا تھا اور یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ نے سلسلہ مجددیہ کو ہر طرح استحکام عطا کیا لیکن دارا شکوہ کی وجہ سے آپ کو جو خطرات نظر آ رہے تھے ان کے دفعیہ کیلئے محض اپنی کوششیں انہیں ناکافی دکھائی دیتی تھیں اس لیے ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء میں جب دارا شکوہ ظاہری اقتدار کے لحاظ سے اپنے تمام بھائیوں سے سبقت لے جا چکا تھا اور مجمع البحرین کی تصنیف کے بعد اس کی پنڈتوں اور جوگیوں سے صحبتیں اپنے عروج پر تھیں آپؒ نے سفر حج اختیار کیا۔ آپؒ نبی کریمؐ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر ہندوستان کا حال زار بیان کرنا چاہتے تھے اور عرض کرنا چاہتے تھے کہ حضورؐ کے غلاموں نے اسلام کو فروغ دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مگر دارا شکوہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس سے محفوظ رہنے کے لیے حضورؐ کی خاص توجہ درکار ہے۔ خواجہ صاحبؒ کی عمر اس وقت قمری ماہ و سال کے ۵۹ برس ہو چکی تھی۔ بڑھاپا تھا اور اس زمانے میں جب کہ سفر کی سہولتیں معدوم تھیں اتنی مسافت کرنا سخت دشوار تھا لیکن مقصد کی بلندی اور پاکیزگی کی وجہ سے آپ نے عجیب و غریب عالی ہمتی اور ذوق و شوق کے ساتھ سارا سفر طے کیا۔ لوگ ہزار در ہزار آپ کے ہاتھ پر بیعت ارادت کرتے رہے۔ آپ کے خلفاء اور ارادت مند بلاد عرب میں پہلے ہی موجود تھے وہاں آپ کی زبان مبارک سے جو ملفوظات نکلے انہیں "مناقب احمدیہ" کے نام سے ایک نیاز مند مولانا محمد امین نے مرتب کیا لیکن آپ باقی پیران عظام اور سالکان راہ خدا کی طرح صرف حرمین شریفین کی زیارت کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ آپکا مشن اسلام کو ہندوستان میں الحاد و کفر کے خطرناک حملے سے محفوظ کرانا تھا اس لیے مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے سامنے آپ نے مراقبہ میں اپنی مشکلات حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیں مکاشفات کے متعلق ارباب ظواہر جو رائے رکھتے ہیں اس سے غرض نہیں لیکن عربی فارسی اور اردو میں علم تصوف سے متعلق ثقاہت پر مبنی جو عظیم ذخیرۂ ادب موجود ہے وہ ان کی حقیقت اور مادی دنیا میں اس کے اثرات کا قائل ہے اس لیے اہل علم کے نزدیک اہل اللہ کے مکاشفات کم قابل اعتنا نہیں بہرحال خواجہ محمد معصومؒ مراقبہ کر رہے تھے لاکھوں بندگان خدا کے روحانی پیشوا سلوک و معرفت میں قیومیت کے انعامات سے سرفراز سالہا سال سے کتاب و سنت کی تعلیمات کو مشرق و مغرب میں بڑی یکسوئی اور بے غرضی سے پھیلانے والے مرد فقیر، اسلام کے شیدائی اور جاں نثار بڑی دردمندی اور عجز و نیاز سے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کر رہے ہیں "قبلۂ عالم و عالمیان! کار زار ہند میں والد بزرگوارؒ اور اس خاکسار نے اللہ کا نام بلند کرنے اور حضورؐ کی سنت مبارکہ کو زندہ کرنے کے لیے جن مشکلات کا کوئی پون صدی سے مقابلہ کیا ہے وہ حضورؐ سے مخفی نہیں لیکن اکبر کے ملحدانہ خیالات کا قلع قمع ہوا ہی تھا اور حضورؐ کے نام لیواؤں نے اطمینان کا سانس لیا ہی تھا کہ اکبر کی اولاد سے دارا شکوہ اسلام کے لیے ایک سخت خطرہ بن کر سامنے آیا ہے۔ سلسلہ مجددیہ کا مخالف ہے اس سلسلہ کے پیروان کار کا دشمن ہے۔ اسلام کو مغلوب کر کے کفر کا استیلاء چاہتا ہے اب حضورؐ کا ہم بیکسوں کے متعلق کیا ارشاد عالیہ ہے۔ یہ فقیر واپس ہندوستان جانے کے متعلق کیا کرے۔ مرید اور وابستگان سرہند میں ہیں "روضۃ القیومیہ" اور "خزینۃ الاصفیاء" میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شمشیر بدست نمودار ہوئے اور فرمایا کہ جو شخص تمہارا دشمن ہے اس کے لیے یہ شمشیر

قہر الٰہی ہے مراقبہ سے سر اٹھایا تو خواجہ صاحب کہنے لگے کہ دارا شکوہ ہندوستان میں مارا گیا (دارا شکوہ در ہندوستان کشتہ شد)

ہمیں ان واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو ہندوستان میں تخت نشینی کے موقعہ پر رونما ہوئے مختلف تواریخ سے اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ہمیں صرف اس بات سے غرض ہے کہ جب خواجہ محمد معصومؒ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء میں حج سے واپس ہوئے تو ۳۰ اگست ۱۶۵۹ء کو دارا شکوہ قتل ہو چکا تھا۔ سیر المتاخرین میں ہے کہ اس کے قتل کا فتویٰ مجمع البحرین کے مندرجات کی بنا پر دیا گیا تھا اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت خواجہؒ کا استقبال کیا آپ کے مرید مغل امراء نے جنگ تخت نشینی میں اورنگ زیب کا ساتھ دیا اور روضۃ القیومیہ میں ہے کہ خود اورنگ زیب خواجہ صاحب کا ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء میں جب کہ اس کے شہزادگی کے ایام تھے مرید ہوا تھا۔ تواریخ اس بارے میں بالکل خاموش ہیں لیکن ان کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اورنگ زیب خواجہ صاحبؒ اور حضرت مجددؒ کے دیگر افراد خاندان کا بڑا ارادت مند تھا تاہم روضۃ القیومیہ کے بیان کو ہم اس لیے حقیقت سے بعید نہیں سمجھتے کہ اورنگ زیب نے شاہی محل میں خواجہ صاحبؒ کی مصاحبت کی درخواست کی تھی آپ نے یہ منظور نہ کی۔ لیکن اپنے فرزند خواجہ سیف الدینؒ کو بھیج دیا جنہوں نے ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء میں اورنگ زیب کے محل میں اقامت اختیار کی۔ خواجہ سیف الدینؒ اورنگ زیب کو باقاعدہ توجہ دیا کرتے تھے اور اس کی روحانی ترقی کے متعلق خواجہ محمد معصومؒ کو باقاعدہ رپورٹ بھیجا کرتے تھے چنانچہ ایک بار انہوں نے عرض کر بھیجا کہ اورنگ زیب اپنے اندر لطیفۂ اخفیٰ کی مناسبت رکھتا ہے خواجہ محمد معصومؒ نے جواباً اپنے مکتوب ۲۳۲ میں تحریر فرمایا کہ فقیر کی رائے بھی یہی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ لطیفۂ اخفیٰ کی ولایت سب ولایت سے اونچی ہے اور اسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے خصوصیت حاصل ہے۔

خواجہ سیف الدینؒ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع اور صوری اور معنوی کمالات کے مالک تھے۔ زہد، ورع تقویٰ عبادت اور اتباع شریعت کے لحاظ سے آپ کی حیثیت امتیازی تھی سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے ان صفات کی بنا پر آپ کو محی السنت کہا جاتا تھا دنیا سے نفرت تھی متمول لوگوں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ عشق الٰہی میں سرشار تھے اور مجلس میں عشاق کی طرح منتظر رہتے تھے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تو بے تاب ہو جایا کرتے ایک رات نصف شب گذرنے کے بعد آپ نوافل تہجد کے لیے اٹھے رات کی سکون ریز خاموشی سے اچانک بانسری کی مسحور کن آواز بلند ہوئی سنتے ہی بے اختیار ہو گئے اور چھت سے زمین پر آ گرے ہاتھ پر سخت چوٹ آئی ہوش میں آئے تو فرمانے لگے ترک سماع کی بنا پر لوگ ہمیں بے درد کہتے ہیں ہم تو اس بات پر حیران ہیں کہ وہ لوگ سماع کے وقت صبر کیسے کرتے ہیں دوام ذکر، توجہ الی اللہ اور اتباع سنت پر آپ زور دیا کرتے تھے طبیعت میں ایسی قدوسیت اور پاکیزگی تھی کہ کفار بھی آپ کی زیارت کر کے تائب ہو جاتے تھے آپ کا وصال ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۶ء میں ہوا۔

اللہ اللہ! جس لال قلعے میں پہلے اپنکھت اور یوگ کا دلدادہ دارا شکوہ اقتدار رکھتا تھا اب اس کا مالک اورنگ زیب ایسا شاہ دیندار تھا جو سرچشمۂ ہدایت صرف قرآن و حدیث کو سمجھتا تھا دارا شکوہ کو اسرار توحید اپنکھت میں نظر آتے جیسے اس نے یہ کمال عقیدت "بید توحید" کا نام دیا مگر اورنگ زیب دل وجان سے توحید کی ان تعلیمات پر ایمان رکھتا تھا جن کی تصریح اور توضیح آیات قرآنی میں موجود ہے اول الذکر اپنے خیال کے مطابق اصل وحدت ذات پر نظر رکھتے ہوئے زبان عربی و سریانی و عراقی و سنسکرت سے بالاتر ہو چکا تھا لیکن ثانی الذکر کو وحدت ذات کے اسرار صرف عربی زبان میں نازل ہونے والی قرآنی آیات میں نہاں نظر آتے تھے اور پھر جس لال قلعے میں بابا لال داس یوگی سے گفتگو کو سرمایۂ بصیرت سمجھا جاتا تھا اور پنڈتوں اور سنیاسیوں کی صحبت کو شناخت حق کا وسیلہ تصور کیا جاتا تھا وہاں اب خواجہ سیف الدینؒ جیسا پابند شریعت مسلمان صوفی اورنگ زیب کو توجہ دینے کے لیے قیام پذیر تھا اور حضرت مجددؒ جیسے اکابر صوفیہ اسلام کی تعلیمات سے استفادہ

کیا جاتا تھا یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں تھی راقم السطور کے نزدیک کعبۃ اللہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لیے جو تحریک فتح مکہ کے وقت کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس نے اب یہاں لال قلعہ کی جاردب کشی کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس ایمان افروز اور ملت پرور تبدیلی کے لانے میں اورنگ زیب کے علاوہ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ نے بھی تاریخ ساز کردار انجام دیا آپ نے اس وقت تک آرام نہ کیا جب دارا شکوہ اور اس کی تعلیمات کا قلع قمع نہ ہو گیا

اپنکھت کے "سر اکبر" کے نام سے ترجمہ سے پہلے شیخ محمد غوث گوالیاریؒ شطاری متوفی ۱۵۶۲ء نے یوگ کے متعلق ایک باب "امرت کنڈ" کا ترجمہ بحر الحیوۃ کے نام سے کیا تھا اس میں ہندو یوگیوں کی توحید پرستی کے تذکرے ہیں برصغیر کے شطاری صوفیہ اس سے استفادہ کرتے رہے تھے اس ضمن میں حضرت بلھے شاہ اور آپ کے پیر طریقت حضرت شاہ عنایت قصوری متوفی ۱۷۲۸ء کے نام بھی لئے جا سکتے ہیں لیکن بحر الحیوۃ اور سر اکبر میں جو بنیادی فرق پایا جاتا ہے اس کا سمجھنا از بس ضروری ہے بحر الحیوۃ کے متعلق اہل علم کی رائے ہے کہ اس میں امرت کنڈ کے مفہومات کا زنار توڑ کر توحید اور اسلام کی تسبیح ان کے گلے میں ڈال دی گئی ہے اور صاحب تحقیق صوفیوں کے افکار و اشغال سے ان کی تطبیق کی گئی ہے گویا جس طرح حکمائے اسلام نے یونانی افکار کو مسلمان بنایا تھا۔ بحر الحیوۃ میں یوگ کے مفہومات کو بھی کلمۂ طیبہ پڑھایا گیا ہے دوسرے الفاظ میں الحکمۃ ضالۃ المؤمن کی تعبیر ہے اس کے برخلاف دارا شکوہ نے جب سر اکبر کے دیباچے میں یہ کہا کہ قرآن مجید کی سورۃ واقعہ میں مذکور کتاب مکنون اپنکھت کی کتاب قدیم ہے اور "آیتہائے قرآن مجید بعینہ دراں یافتہ شود"

تو اس نے قرآن مجید کی بجائے اپنکھت کو اصل قرار دے دیا اور ہندومت کو اسلام کی اصل کہا۔ واضح ترین الفاظ میں دارا شکوہ ، قرآن مجید ، اس کی آیات الاسلام کو زنار پوش بنانا چاہتا تھا اس سے بڑا فساد امت مسلمہ میں اور کیا ہو سکتا تھا یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مکمل نفی تھی اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو آج برصغیر میں اسلام کے نام لیوا موجود نہ ہوتے میدان فکر میں ملت اسلامیہ کی یہ نہایت المناک شکست ثابت ہوتی اور اسلام یہاں انہی حالات سے دوچار ہو جاتا جن سے حضرت مجددؒ اسے بچانا چاہتے تھے اور اگر خواجہ محمد معصومؒ قدس سرہ العزیز نے دارا شکوہ میت کا استیصال کیا تو انہوں نے امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

سطور بالا کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دارا شکوہ کی زندگی کے دو حصے ہیں ایک حصے کا تعلق اکابر قادری صوفیہ رحمہم اللہ کی نیازمندی سے ہے یہ حصہ بے شک قابل تحسین ہے لیکن ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں حضرت ملا شاہ بدخشیؒ سے بیعت کے بعد اس کی زندگی کا جو دور شروع ہوا وہ اگر محض اپنشدوں کے مطالعہ تک محدود رہتا اور اس مطالعہ کے ذریعے وہ ہندوؤں کو اپنے قریب تر لانے کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیمات کی برتری تسلیم کراتا تو کوئی بھی معترض نہ ہوتا لیکن اس نے الٹا قرآنی فکر پر ویدانت کے فکر کے غلبہ کی راہ پیدا کی جو بالخصوص برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لیے سم قاتل کا اثر رکھتی تھی بنا بریں خواجہ محمد معصومؒ کا آتش زیر پا ہونا قدرتی امر تھا آپ کی ساری مساعی کا مقصود اسلام اور مسلمانوں کو نئی زندگی عطا کرنا تھا اورنگ زیب کے حوالے سے دارا شکوہ کے افکار وغیرہ کا مطالعہ بے حد گمراہ کن ثابت ہوا ہے لوگ سمجھتے ہیں وہ اورنگ زیب کی ہوس تاج و تخت کا شکار ہو گیا اگر احیائے اسلام والمسلمین کے حوالہ سے دارا شکوہ کی زندگی کے دوسرے حصے کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ وہ الحاد کے اس پودے کی پرورش کرنا چاہتا تھا جو اکبر کی فطرت سے پھوٹا تھا اور اس کا خاتمہ اس کے انہی اعمال و اشغال کی وجہ سے ہوا۔

ضرورت ہے

"المرشد" کے لیے ایک نائب مدیر کی ادارت کا تجربہ ضروری ہے۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی درخواستیں ۱۵ جنوری تک مندرجہ ذیل پتہ پر پہنچ جانا چاہئیں۔

پروفیسر حافظ عبد الرزاق

"المرشد" منارہ ضلع چکوال

استقامتِ حق

پروفیسر محمد امین درانی

پس منظر:- عباسی[1] خلیفہ مامون رشید (۱۹۸ھ - ۲۱۸ھ) بغداد میں تختِ خلافت پر متمکن تھا۔ گرد و پیش ایسے علماء اکٹھے ہوگئے ہیں جو معتزلی عقیدے کے ہیں، اُن کے اثر سے مامون بھی معتزلی ہوگیا ہے، یہ لوگ[2] حق تعالیٰ پر عذاب و ثواب واجب مانتے اور صفاتِ الٰہی کو مخلوق و حادث جانتے اور خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں، کلام اللہ بھی چونکہ صفت ہے اس لیے ان کے نزدیک مخلوق ہے، بعد کو مامون کا غلو اس میں اتنا بڑھتا ہے کہ دوسرے مسلمان کو مشرک قرار دیتا ہے اور رَقّہ[3] سے بغداد کے کوتوال اسحاق کو احکام بھیجتا ہے کہ علمائے بغداد میں جو قرآن کے مخلوق ہونے سے انکار کریں ان کو پابہ زنجیر روانہ کر دیا جائے جان کس کو پیاری نہیں ہوتی جان کے خوف سے چار کے سوا تمام علماء جبراً و قہراً حکومت کی ہمنوائی کرتے ہیں، بالآخر اُن میں سے بھی دو ہمت ہار جاتے ہیں۔ اور صرف امام احمدؒ اور محمد بن نوحؒ رہ جاتے ہیں، اُن کو مقید کرکے مامون کے حضور میں بھیج دیا جاتا ہے۔

اثنائے راہ میں ایک شخص ابوبکر نامی دریافت کرتا ہے۔

"احمد! اگر خلیفہ تمہارے قتل پر آمادہ ہوگیا تو کیا تم اس کی بات مان لوگے ؟" جواب دیتے ہیں "نہیں"

اسی طرح ایک اعرابی جابر بن عمار ملتا ہے اور کہتا ہے "دیکھو! ایک دن تو مرنا ہے، اگر آج حق کی حمایت میں مارے گئے تو سیدھے جنت میں جاؤ گے"

جب آگے بڑھتے ہیں تو ایک شخص آکر مامون کے مرنے کی خبر دیتا ہے۔ امام کہتے ہیں "میں نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ مامون کا اور میرا سامنا نہ ہو" اس اثنا میں آپ کے رفیقِ کار محمد بن نوحؒ بھی انتقال فرماتے ہیں اور امام قید میں تنہا رہ جاتے ہیں۔ علماء کا ایک وفد حاضر ہوکر رخصت کی احادیث پیش کرتا ہے، جواب دیتے ہیں "کیا تم وہ احادیث بھول گئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ تم سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں۔ اُن کے جسموں کو آرے سے چیرا جاتا تھا پھر بھی وہ دین سے نہ پھرتے تھے، مجھے تو دراصل نہ قید کا ڈر ہے نہ قتل کا، البتہ کوڑوں کی سزا سے ہَول آتا ہے" اُس وقت ایک قیدی کہتا ہے۔

"یا ابا عبداللہ! دو کوڑوں تک تو تکلیف کا احساس رہتا ہے، پھر ہوش بھی نہیں رہتا کہ کہاں ضرب لگی" اس پر آپ مطمئن ہو جاتے ہیں۔

امامؒ کی وضع و قطع کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ آپ خوش رو، گندمی رنگ، میانہ قد ہیں، موٹا مگر سفید لباس استعمال کرتے ہیں، سر پر عمامہ ہے اور جسم پر قمیص اور پاجامہ جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ آپ کی عمر ۴۵ سال ہے اور قویٰ معمولی، مامون آخر وقت اپنے بھائی اور جانشین معتصم (۲۱۸ھ - ۲۲۸ھ) کو وصیت کر جاتا ہے کہ خلق قرآن سے انکار کرنے والوں کے ساتھ

تشدد کیا جائے۔

چنانچہ امام احمدؒ کو قید خانے میں طلبی کا حکم پہنچا ہے معتصم کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

یہ ایک قوی اور بہادر انسان ہے جس کے چہرے سے ہیبت ٹپکتی ہے، بے علم اور سخت مزاج ہے، شاہی دربار پوری سطوت و جبروت کے ساتھ آراستہ ہے۔ اُمراء ادب سے اپنے اپنے مقام پر حاضر ہیں، خلیفہ کے قریب ہی مشہور معتزلی عالم دربار احمد بن ابی داؤد بیٹھا ہے، امام احمدؒ اس حالت میں آتے ہیں کہ ہر پاؤں میں دو دو بھاری بیڑیاں ہیں اور منہ میں روزہ ہے، بیڑیوں کے بوجھ اور کمزوری سے قریب ہے کہ گر پڑیں اس لیے بیڑیوں کو کمر بند سے باندھ کر اُٹھائے ہوئے ہیں بالآخر گفتگو ہوتی ہے۔

معتصم: (امام احمدؒ سے) میرے قریب آؤ، بیٹھو امام۔

احمدؒ۔ (بیٹھ کر) کیا مجھے بولنے کی اجازت ہے؟

معتصم: اجازت ہے۔

امام احمدؒ:۔ خدا اور رسولؐ نے لوگوں کو کس امر کی دعوت دی تھی؟

معتصم:۔ (تھوڑے تامل کے بعد) توحید کی گواہی کی۔

امام احمدؒ:۔ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ اس کے علاوہ امیرالمومنین کے جدِ امجد حضرت عباسؓ کی روایت کردہ حدیث پر میرا مدار ہے جس میں جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی دو، اور زکوٰۃ و خمس ادا کرو

معتصم:۔ (متاثر ہو کر) کیا کروں اگر یہ معاملہ میرے عہد سے پیشتر نہ چھڑ گیا ہوتا تو میں تم سے ہرگز تعرض نہ کرتا (علمائے دربار خصوصاً عبدالرحمان بن اسحاق سے مخاطب ہو کر) تم لوگ احمد سے مناظرہ کرو۔

عبدالرحمان:۔ (امام سے) تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

امام احمدؒ: تم خدا کے علم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

(عبدالرحمن سکوت اختیار کرتا ہے)

ایک اور عالم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (اللہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے) اور قرآن بھی شے ہے لہٰذا قرآن بھی اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

امام احمدؒ: اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے "تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا" (وہ آندھی ہر شے کو اپنے مالک کے حکم سے تباہ کر دے گی۔ چنانچہ جب قوم عاد پر آندھی آئی تو اُس نے ہر شے کو تباہ کر دیا بجز اس کے جس کو خدا نے بچانا چاہا) مراد ہے کہ "شے" میں استثناء بھی ہو سکتا ہے۔

ابن ابی داؤد: (غصہ میں) یا امیرالمومنین! واللہ یہ شخص گمراہ گر، اور بدعتی ہے۔

معتصم: (امام سے) احمد تمھیں کیا ہو گیا ہے، یہ کیا کہتے ہو؟

امام احمدؒ: مجھے کتابِ الٰہی یا سنتِ رسولؐ کی کوئی دلیل دو، تو میں قائل ہو جاؤں۔

معتصم: یا ابا عبداللہ! تم ابن ابی داؤد سے کیوں بحث نہیں کرتے؟

امام احمدؒ: میں اس کو اہل علم میں شمار نہیں کرتا جو اس سے بحث کروں۔

معتصم: واللہ، اگر تم میری بات مان لو تو میں اپنے ہاتھ سے تمھاری زنجیر کھول دوں، اور تمھاری خدمت کروں، احمد! بخدا جتنی میں اپنے بیٹے ہارون پر شفقت کرتا ہوں اُس سے زیادہ تم پر کرتا ہوں۔ بولو کیا کہتے ہو؟

امام احمدؒ:۔ مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول سے ثبوت دو تو مانوں۔

(اس پر معتصم برہم ہوتا ہے اُس کے حکم سے لوگ اُٹھ جاتے ہیں اور احمد اور عبدالرحمن رہ جاتے ہیں)۔

عبدالرحمن: امیرالمومنین، میں ان کو تیس برس سے جانتا ہوں یہ آپ کی اطاعت اور آپ کی معیت میں حج و جہاد کے قائل ہیں۔

معتصم: بے شک یہ عالم و فقیہ ہیں۔ ایسا شخص میرے پاس رہے تو کیا برائی ہے؟ (امام سے) تم صالح رشید کو جانتے ہو؟ وہ میرا استاد ہے، ایک دفعہ میں نے قرآن کی نسبت سوال پوچھا جس پر اُس نے مجھ سے اختلاف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اس کو سخت تعزیر دی۔ تم اب بھی میری بات مان لو۔ تاکہ میں تمھیں اپنے ہاتھ سے قید سے رہا کر دوں، ورنہ مجھے قرابت نبوی کی قسم! میں تمھیں بُری طرح پٹواؤں گا۔

امام احمدؒ: مجھے کتاب اور سنت رسولؐ دکھاؤ۔

(بحث طول کھینچتی ہے، معتصم بگڑ کر اُٹھ جاتا ہے، امامؒ

اپنے تاریک حجرے میں مقفل کر دیے جاتے ہیں۔ شام کو افطار کے وقت کھانا آتا ہے مگر آپ واپس کر دیتے ہیں،

(شب میں معتصم کے حکم سے ابنِ ابی داؤد آکر سمجھاتا ہے)

ابن ابی داؤد: مجھے تمہاری گرفتاری کا رنج ہے، یاد رکھو! امیرالمومنین نے قسم کھائی ہے کہ تمھیں سخت مار لگائیں گے، اور ایسی جگہ قید کر دیں گے جہاں سورج کی روشنی کو ترس جاؤ گے۔

(امام کوئی جواب نہیں دیتے اور وہ چلا جاتا ہے، صبح کو پھر دربار میں طلبی ہوتی ہے، اور مناظرے کا بازار گرم ہوتا ہے۔ مگر بے سود۔ اگلے روز پھر حاضری کا حکم آتا ہے، امام محافظ سے ایک ڈوری مانگ کر اس سے بیڑیوں کو باندھ لیتے اور کمربند پاجامے میں ڈال لیتے ہیں۔ کہ مبادا ضربِ تازیانے سے ستر کُھل جائے، آج دربار کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، کئی جلاد نیزے، تلواریں اور کوڑے لیے کھڑے ہیں، ——— معتصم وہی بات دوہراتا ہے، اور وہی جواب پاتا ہے)

معتصم: (بگڑ کر) ان کو پکڑ کر گھسیٹو اور کپڑے اتار لو۔

حکم کی تعمیل ہوتی ہے، امام احمدؒ کے پاس حضرت رسولِ خدا کا موئے مبارک ہے جس کو آپ قمیص کی آستین میں چھپا لیتے ہیں بعض لوگ قمیص کو پھاڑنا چاہتے ہیں، مگر معتصم روک دیتا ہے، پھر قمیص اتاری جاتی ہے اور عقابین اور تازیانے منگائے جاتے ہیں، جب امام عقابین میں لٹکائے جانے پر بھی ثابت قدم رہتے ہیں تو معتصم جیسے سنگ دل کو بھی رحم آ جاتا ہے)

ابن ابی داؤد:۔ حضور! اگر آپ نے احمد کو چھوڑ دیا تو مامون کے مذہب کو چھوڑا، اور اس کی وصیت سے منہ موڑا۔

(اس پر معتصم مشتعل ہو جاتا ہے)

معتصم:۔ (جلادوں سے) بڑھو تم میں سے ہر شخص پوری قوت سے دو دو کوڑے لگائے، اور پیچھے ہٹ کر دوسرے جلاد کو موقع دے (جلاد تعمیل کرتے ہیں) معتصم ہر جلاد سے کہتا ہے، زور سے مار خدا تیرے ہاتھ قطع کرے۔ انیس کوڑے لگائے جا چکے ہیں، امام ہر ضرب پر اللہ کا نام لیتے اور القرآن کلام اللہ غیر مخلوق کہتے ہیں)

معتصم:۔ احمد کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، مجھے تم پر رحم آتا ہے خوشامدی درباریوں میں سے ایک (تلوار کا قبضہ چبھو کر)

احمد:۔ کیا تم اپنی من مانی کر کے رہو گے؟ اور کسی کی بات نہ سنو گے۔

روح کی غذا

روح کی جو غذا اور دوا ہے، روح کی جو صحت و بیماری ہے۔ روح کی اپنی بقا کا جو مسئلہ ہے وہ ایک الگ فن ہے اس کا تعلق روح کی بقا کا وہ ہے تعلق باللہ پر منحصر جتنا ربط اس کا ذاتِ باری سے قریب تر ہو گا اتنا وہ روح قوی بھی ہو گا، صحت مند بھی ہو گا، تندرست بھی ہو گا اور جس قدر اس تعلق میں کمی واقع ہوتی چلی جائے گی اسی قدر روح بیمار یا پریشان ہوتا چلا جائے گا حتیٰ کہ اگر یہ تعلق کٹ جائے تو روح کی موت یہی ہے۔

(مولانا محمد اکرم مدظلہ)

دوسرا:۔ خلیفہ وقت کھڑے ہیں اور تم اپنی ضد پر قائم ہو۔

تیسرا:۔ یا امیرالمومنین! اس شخص کو قتل کیجیے۔ عذاب و ثواب میری گردن پر۔

چوتھا:۔ غضب خدا کا، سرکار (معتصم) روزے سے ہیں اور دھوپ میں کھڑے ہیں۔

پانچواں:۔ احمد! آخر تمھارے رفقاء ہیں کس نے یہ ضد کی جو تم کر رہے ہو۔

(خلیفہ پھر سمجھاتا ہے، مگر جواب نفی میں پاتا ہے۔)

تازیانوں کی ضرب برابر پڑ رہی ہے یہاں تک کہ امام احمدؒ بے ہوش ہو جاتے ہیں، بیڑیاں الگ کر دی جاتی ہیں، جسم مبارک کو زمین پر ڈال کر بوریے سے ڈھک دیا جاتا ہے، ہوش آنے پر ستو پیش کیے جاتے ہیں مگر وہ صاحبِ عزیمت یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ میں روزہ نہیں توڑ سکتا۔ مجلس میں پہنچنے پر برف کا پانی لایا جاتا ہے، مگر وہ بھی نظرِ التفات سے محروم رہتا ہے۔ اتنے میں نماز کی اذان ہوتی ہے۔ ابنِ سماعہ نماز پڑھاتے اور امام احمد علیہ الرحمۃ ان کی اقتداء فرماتے ہیں)

ابنِ سماعہ:۔ احمد تمھارے جسم سے خون جاری ہے تمھاری نماز کیوں کر ہوئی؟

امام احمدؒ:۔ حضرت عمرؓ جب زخمی کیے گئے تھے تو اُن کے

جسم سے بھی خون بہتا تھا، اور اُسی حالت میں انہوں نے نماز ادا کی۔

اس کے بعد معتصم نے رہا کر دیا کیوں کہ پبلک کے اجتماع سے اُس کو اندیشہ ہو گیا تھا۔

یہ تھی ایک جھلک اس استقامت علی الحق کی جس کا مظاہرہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔ درحقیقت صداقت، جرأت اور بھوک پیاس اور جسمانی ضرب میں استقامت کی ایسی مثالیں تاریخ میں کمیاب ہیں۔ خود معتصم کے باڈی گارڈ کا بیان ہے کہ میں نے احمد جیسا ثابت قدم اور بلند حوصلہ شخص نہیں دیکھا، اُس روز اُن کی نظر میں ہم لوگوں کی وقعت مکھی سے زیادہ نہ تھی۔ جلاد نے اعتراف کیا کہ میں نے ان کو اَسی کوڑے اس شدت سے مارے کہ اگر ہاتھی کو مارتا تو وہ دھم سے گر جاتا۔

اس ابتلاء کے بعد لوگوں نے امام علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ آپ معتصم کے لیے بددعا کیجیے۔ ارشاد ہوا کہ جو ظالم کو بددعا کرے وہ صابر نہیں۔ اس کے علاوہ میں نے اس کو معاف کر دیا تھا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

"جو کوئی معاف کر دے، اور صلح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے"۔

اگر ایسے موقع پر امام ممدوح رُخصت پر عمل کر لیتے تو بظاہر جائز تھا مگر آپ جانتے تھے کہ یہ ایک دینی مسئلہ ہے اور آپ کی حیثیت ایک مقتدا کی ہے۔ اور اس عہد میں اس جہاد کے لیے آپ سے بڑھ کر حق کون ہو سکتا تھا۔

چنانچہ جب کسی شخص نے آپ سے کہا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو آپ نے فرمایا اچھا! باہر جاؤ اور جو کچھ دیکھو وہ آکر مجھے بتاؤ۔

اُس شخص نے آکر کہا کہ ہزارہا مخلوقِ خدا ہاتھوں میں قلم دوات اور کاغذ لیے باہر اس انتظار میں کھڑی ہے کہ امام جو مسائل بیان فرمائیں قلم بند کرتے جائیں یہ سُن کر امام احمدؒ نے کہا مجھے قتل ہونا گوارا ہے مگر اتنے بندگان کا گمراہ ہونا گوارا نہیں۔

لے اس مضمون کی بنیاد مناقب الامام احمد بن حنبلؒ مؤلفہ ابن جوزی پر ہے۔

۲ے شرح عقائد نسفی :۔

۳ے ابن حنبل محمد ابوزہرہ :۔

کے تاریخ الخلفاء سیوطی ؒ :۔

شہ معتصم کے بعد واثق کے زمانے میں بھی یہ کاروبار جور جاری رہا مگر کچھ دنوں کے بعد ایک عالم کے مسکت اور پُر لطف استدلال سے متاثر ہو کر اس نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا۔ متوکل اگرچہ ناصبی تھا مگر اس معاملے میں اُس نے معتزلہ کا زور توڑا، اور "محی السنۃ" کہلایا۔ (تاریخ الخلفاء)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

- ادارہ المرشد نہایت افسوس سے اعلان کرتا ہے کہ مشاہد حسین رضوی ادارہ فروغ کتابت ایبک روڈ لاہور جو "المرشد" کے ساتھ طویل عرصہ تک منسلک رہے اور 'دلائل السلوک' کے علاوہ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ کی کتابوں کی کتابت فرماتے رہے۔ لاہور میں ۰۰ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا کرے۔

- سلسلہ عالیہ کے دیرینہ ساتھی جاوید اختر نائب مہتمم تحفظ اراضیات اِمسال لنگر مخدوم کے اجتماع میں شریک ہوئے اور فیضانِ مشائخ عظام سے سیراب ہو کر واپس جا رہے تھے کہ ٹریفک کے حادثہ میں شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت مدظلہ العالی نے فرمایا 'قابلِ رشک موت ہے۔ اللہ کے لیے سفر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

- سلسلہ عالیہ کے نوعمر اور انتہائی پُرجوش ساتھی حامد رزر ڈسکہ، ۳۱ اکتوبر کو ٹریفک کے حادثہ میں شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولوی امداد اللہ صاحب کی اہلیہ ۲۲ اگست ۱۹۸۸ء کو کراچی میں وفات پا گئیں۔ احباب سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

Phone : 546734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴ گھر : ۴۴۸۹۱۶

البرکت اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳ سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابو حنیفہ

آپ کے پوتے عمر بن حماد بن ابی حنیفہ کے قول کے مطابق امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی ہیں۔ زوطی اہل کابل سے تھے۔ انہوں نے کابل سے کوفہ ہجرت کی تھی اور وہیں آباد ہوئے تھے۔ ان کے والد بزرگوار "ثابت" پیدائشی مسلمان تھے۔ ثابت صاحب کی ملاقات حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے کوفہ میں ہوئی تھی۔ جب ثابت کو ان کے والد زوطی صاحب، حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے دعا کی۔

دوسری روایت آپ کے دوسرے پوتے اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے ہے۔ ان کے قول کے مطابق امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان ہیں اور وہ فارس (ایران) کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ان کے دادا نے کوفہ ہجرت کی۔ اور وہیں آباد ہوئے۔ (اخبار ابی حنیفہ (اصحابہ لصیمری)

ان دونوں اقوال میں تطبیق ایسی ہے کہ زوطی نعمان بن المرزبان کا لقب ہے۔ اس زمانے میں کابل پر اہل فارس حکمران تھے کابل فارس (ایران) کا محکوم علاقہ تھا۔ تو کابل کو فارس شمار کر لیا گیا۔

ولادت

اکثر آئمہ سیرت و تاریخ کے اقوال کے مطابق امام ابو حنیفہ ۸۰ھ کو کوفہ میں پیدا ہوئے۔

صرف آئمہ حدیث میں محدث الحسن الخلال نے مشہور محدث زواد بن علیہ سے روایت کی۔ کہ امام ابو حنیفہ ۶۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ کو وفات ہوئی۔ تاریخ وفات میں کوئی اختلاف نہیں۔ سب کے نزدیک ۱۵۰ھ ہے۔ جس سال امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی۔ (مقدمہ جامع المسانید صد ۲ س ۲۰ وس ۱۶)۔

دونوں روایتوں کے مطابق وہ قرن اول کے آخر میں پیدا ہوئے۔ جو صحابہ کرام کا زمانہ ہے۔ انہوں نے تدریس اسلام، (تدریس حدیث و فقہ) قرن ثانی (دوسری صدی) میں کی جو تابعین کی صدی ہے۔ صحابہ تابعین اور اتباع تابعین کی تینوں صدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین صدیاں (خیر القرون) فرمایا اور ان لوگوں کی افضلیت اور عدالت کی شہادت دی۔ جو ان تینوں صدیوں میں ہوں۔

صحابہؓ سے ملاقات

امام ابو حنیفہؒ کے حاسدوں نے مختلف کتابوں میں لکھا ہے کہ آپؒ کے زمانہ میں چار صحابہ موجود تھے۔ انسؓ بن مالک بصرہ میں عبداللہ بن ابی اوفی کوفہ میں اور سہیل بن سعد مدینہ منورہ میں و عامر بن واثلہ مکہ میں۔ اور کسی سے نہیں ملے۔ تابعین سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ اتباع التابعین میں سے ہیں (تاریخ امام ابو زہرہ مصری) آخر مشکوۃ، مذکورہ بالا روایت غلط ہے اور اس کے مقابلے میں امام ذہبی نے الخطیب سے تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے کہ وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے بصرہ میں ملے۔ اور ان سے احادیث کی روایت کی۔ امام الصیمری نے (اخبار ابی حنیفہ ص۴) میں لکھا ہے۔ جب امام صاحب پندرہ سال کے ہوئے تو آپ نے انس بن مالک کو بصرہ میں دیکھا اور ان سے روایت کی۔ ابو داؤد الطیالسی نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی۔ ابو حنیفہ نے فرمایا میں ۸۰ھ کو پیدا ہوا۔ صحابی رسول عبداللہ بن انیس کوفہ آئے (۹۴ھ) اور میں چودہ سال کا تھا کہ میں نے ان سے یہ حدیث لی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (کسی چیز کی محبت آپ کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) ص۲۵ مقدمہ جامع المسانید۔

بشر بن الولید قاضی نے امام ابو یوسف سے روایت کی کہ مجھے امام ابو حنیفہ نے فرمایا "میں سولہ سال کا تھا اور حج کیلئے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ گیا اور المسجد الحرام، صحابی رسولؐ

عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کے حلقہ درس میں بیٹھا اور ان سے یہ حدیث سنی: "من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ همہ ورزقہ من حیث لا یحتسب" جو اللہ کے دین میں مہارت حاصل کریں۔ اللہ تعالے اس کی پریشانی دور کریگا۔ اور اس کو وہاں سے روزی دے گا۔ جو اس کے گمان میں نہ ہو ایسے اور کئی واقعات کتب سیرة و تاریخ و اسماء الرجال کے آخیر میں یا ابو زہرہ وغیرہ نے جو لکھا ہے وہ غلط ہے اور حقیقت کے خلاف ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ

امام ابو حنیفہ تابعی ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا ان سے روایت کی۔ اس حقیقت کی تائید امام ابو یوسف کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان نے امام صاحب سے کہا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا یہی فتویٰ ہے کہ سجدہ سہو سلام کے بعد ادا کرنا ہے۔ اس تحقیق کے لیے امام صاحب بصرہ تشریف لے گئے۔ اور ان سے خود ہی مسئلہ سنا (اخبار ابی حنیفہ للصیمری ص ۵) حماد بن سری محدث نے امام ابو حنیفہ کی روایت واثلہ بن الاسقع صحابی سے نقل کیا اور محدث یحییٰ بن معین نے ابو حنیفہ کی روایت عائشہ بنت عجرد صحابیہؓ سے نقل کی۔ یہ ساری روایات صحیح ہیں۔

ابتدائی تعلیم

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید مشہور قاری امام القراءات عاصم ابن ابی النجود الکوفی سے حفظ کیا۔ یہ بچپن کا زمانہ تھا۔ امام عاصمؒ نے خود اس کی شہادت کی "أتیتنا صغیرا و أتیناک کبیرا" آپ ہمارے پاس چھوٹے آتے تھے اور ہم آپ کے پاس بڑے ہو کر آئے۔ امام عاصمؒ نے اپنے شاگرد ابو حنیفہ سے بعد میں احادیث اور فقہی مسائل کی روایت کی۔ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ مشہور قاری حفصؒ کے استاد ہیں۔ جن کی قراءت کی روایت سے ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں (ص۲۰ مقدمہ ۳ جامع المسانید)۔

تعلیم حدیث وفقہ

امام ابو حنیفہ نے آئمہ شیوخ التابعین سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور اکثر حصہ احادیث اپنے مشہور استاد حماد بن ابی سلیمان سے روایت کیں۔ جو مدرسہ کوفہ کے شیخ الحدیث تھے۔

ربیع بن یونس نے روایت کی کہ امام ابو حنیفہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کی خدمت میں گئے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے خلیفہ منصور سے کہا کہ آج ابو حنیفہ دنیا کا عالم ہے۔ خلیفہ منصور نے پوچھا اے

ملک الموت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابیؓ کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے صحابیؓ کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو۔ ملک الموت نے جواب دیا کہ آپ مطمئن رہیں میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور کہا کہ جتنے آدمی شہروں میں یا دیہات اور جنگلوں پہاڑوں میں یا دریا میں آباد ہیں۔ میں اُن میں سے ہر ایک کو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں۔ اس لیے میں اُن کے ہر چھوٹے بڑے سے بلا واسطہ واقف ہوں۔ پھر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے ورنہ میں اگر ایک مچھر کی روح قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر قدرت نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ ہی کا امر اُس کے لیے نہ آجائے"

(حدیث)

نعمان آپ نے کن سے علم لیا۔ امام صاحب نے فرمایا۔ عمر بن الخطاب علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کے ساتھیوں سے علم حاصل کیا۔ عبداللہ بن عباس اپنے وقت کے بڑے عالم تھے (وہ خلیفہ منصور کے اجداد میں سے ہیں) خلیفہ منصور نے کہا "آپ مستعد الشان ہیں) آپ پر (دین میں) بھروسہ کیا جاسکتا ہے)۔ مقدمہ جامع المسانید ص۳۰ و ص۱۳۱)

تدریس

امام حمادؒ بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد علماء عراق کے بیحد اصرار پر امام ابو حنیفہ نے مدرسہ کوفہ میں احادیث کی تدریس شروع کی۔ اور قرآن و سنت سے مستنبط فقہی احکام کی تعلیم دی۔ جلیل القدر تابعین آپ سے دینی مسائل میں فتویٰ لیتے تھے۔ اور آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ ہزاروں لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ سے احادیث کی روایت کی۔ جن میں سے چند مشہور محدثین درج ذیل ہیں۔

(۱) عمرو بن دینار (۲) عبداللہ بن المبارک (۳) ابو داؤد الطائی۔
(۴) یزید بن ہارون (۵) عباد بن العوام (۶) محمد بن الحسن الشیبانی

(۷) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری (۸) وکیع بن الجراح (۹) ھشام بن خالد (۱۰) سفیان بن عیشیہ (۱۱) فضیل بن عیاض، (۱۲) سفیان الثوری (۱۳) ابن ابی لیلی (۱۴) ابن شبرمہ، (۱۵) قاری حمزہ بن حبیب (۱۶) آپ کے استاد امام القراء عاصم بن ابی النجود (۱۷) امام القراء نافع بن عبدالرحمن المدنی جو امام مالکؒ کے استاد ہیں (۱۸) اکیلے قاری عبداللہ بن یزید نے امام ابوحنیفہ سے نو سو احادیث کی روایت کی۔ (ص۲۹ جامع المسانید)

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاری، امام مسلم اور دیگر آئمہ حدیث نے آپ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں سے روایت کی۔

اتنی تعداد میں جلیل القدر آئمہ حدیث کی روایت، امام ابوحنیفہؒ سے اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہ نہ صرف فقیہہ بلکہ امام المحدثین ہیں اور علم حدیث کے متبحر اور مستند اماموں میں سے ہیں۔ اور آپ کی کتب حدیث، احادیث کی ۱۵ مسندیں مع کتاب الآثار جو امام محمد اور امام ابو یوسف کی الگ کتابیں ہیں۔ دین کے اصح کتب ہیں۔ اور ان کا درجہ ان کتب حدیث سے اونچا ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے بعد مرتب ہوئے۔ کیونکہ یہ روایات یا تو معتمد جلیل القدر تابعین سے ہیں یا براہ راست اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ جو دوسرے کتب حدیث کے رواۃ (جو غیر تابعین اور غیر صحابہ ہیں) ان سے زیادہ معتمد زیادہ افضل اور زیادہ ثقات ہیں اور از راہ انصاف اس حقیقت کے مطابق قرآن مجید کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے کتب حدیث اصح الکتب ہیں۔

اور مقدمہ ابن خلدون کے صفحہ ۳۸۸ پر جو درج ہیں۔ کہ امام ابوحنیفہ نے سترہ (۱۷) احادیث کی روایت کی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے حاسدوں کی ترجمانی ہے۔ اور غلط بیانی کی انتہا ہے۔ اس طرح خطیب بغدادی کے اقوال جو امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہیں وہ حسد پر مبنی ہیں۔

علمی مجلس شوریٰ

امام ابوحنیفہؒ نے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ائمہ منتخب کئے جو مجتہد تھے۔ ان کو علمی مجلس شوریٰ کا ممبر بنایا جس کا سیکرٹری جنرل امام ابو یوسف تھے۔

امام ابوحنیفہؒ دینی مسئلہ اس مجلس میں پیش کرتے اور

بندہ مر جائے تو اُس کی عورت کو ستی کر دیتے ہیں۔ اور سارا زیور پہنا کر کرتے ہیں۔ جب ستی ہی ہونا ہے تو سارے گھر کا زیور لانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے کہ برہمن اتار کر لے جائے مسلمان معاشرہ بھی جب بگڑتا ہے تو اسلام کے نام پر بھی لوٹ مچائی جاتی ہے دوسرے کو توکل کا درس دے کر اُس کی جیب سے پیسے لے لیے جاتے ہیں۔ اور وہ اتنا نادان ہوتا ہے کہ تجھے خدا کا دروازہ دکھانے والا خود خدا سے کیوں بے خبر ہے۔ خود اپنے رزق کے لیے اُس کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق کام کیوں نہیں کرتا۔ تیرے پیسے پہ کیوں بیٹھا ہے؟

(حضرت مولانا محمد اکرم)

اپنے ان مجتہد آئمہ شاگردوں سے وہ احادیث اور آثار سنتے تھے اور اکثر اوقات مذاکرات ایک ایک مہینہ طویل ہوتے تھے۔ تب ہی کوئی بات تحقیق سے ثابت ہوتی۔ تو امام ابو یوسف اس کو درج کرتے تھے۔ دینی مسائل کی تحقیق کے لیے مجلس شوریٰ کی تاسیس، امام ابوحنیفہؒ کا ایک منفرد عمل ہے، جو باقی آئمہ کرام کو نصیب نہیں ہوئی۔ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے "لوگوں نے مجھے دوزخ کے اوپر پل بنا دیا ہے۔ سارا بوجھ میرے اوپر ہے۔ اس لیے میرے ساتھیو! میری مدد کرو۔"

امام ابوحنیفہؒ بشر ہیں۔ اگر کبھی خطا ہو جائے تو یہ آئمہ کبار ان کو احادیث و آثار سنا کر حق کی طرف واپس کرتے۔ انہوں نے امام ابو یوسف سے کہا کہ کوئی بات بغیر تحقیق درج نہ کریں۔ بغیر تحقیق والی بات اگر آج ہے تو کل اسے چھوڑ دوں گا اور اس سے رجوع کر دوں گا۔

اللہ ہو (پنجابی نظم)

اللہ ہو دا ذکر پکاییے دَم دَم دے نال سارے یار
اللہ ہو دا ذکر اسے سوہنا دل توں میل وتارے یار

اللہ ہو ویاں رگڑاں لا کے دل دے شیشے توں چمکایئے
آڈ لطائف توں روشن کرییے کول کسے کامل دے جایئے

دل دا شیشہ صاف جے ہووے آپے پیا چمکارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکاییے دَم دَم دے نال سارے یار

ناں اللہ دا انج پکاییے اللہ لوں لوں وچ سماوے
اندر اللہ اللہ ہووے ہُووی سٹ قلب تے آوے

چمکن انج لطیفے سارے جیوں آسمانی تارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکاییے دَم دَم دے نال سارے یار

اج عملاں تے محنت کرییے ہتھ نئیں آونا فیر ایہہ ویلا
آخر اینے اجڑ جانا دنیا دو گھڑیاں دا میلہ

فیر حشر نوں ایہہ عملاں نے بھائیں ادھارے یار
عشق دا دعوی جیکر کرییے قبر تاں کھل لہانی پیندی

یار دے آکھے لگنا پیندا یار دی شکل بنانی پیندی
جے نہ آکھے یار دے لگے ہندے نئیں گزارے یار

ویکھنا ہووے عرش معلیٰ پاونا ہووے قرب حضوری
ظاہر شریعت باطن روشن دو چیزاں دی شرط ضروری

عالم فاضل مُلاں قاضی عملوں باجھ لنگارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکاییے دم دَم دے نال سارے یار

بِن رہبراں ویکھے پینڈے خطرہ اپنی جان دا ہُندا
مُرشد باجھوں عشق دی منزل خطرہ دین ایمان دا ہُندا

نہ کھا در در ٹھیڈے بندیا بہہ جا اک دوارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکاییے دَم دَم دے نال سارے یار

اللہ اللہ کرن دا میرا مرشد وِل سکھا دیندا اے
پاک نبی دے پاک ہتھاں نال روح دی بیعت کرا دیندا اے
سوہناں ناں محمد اکرم وسدا وِچ منارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکائیے دَم دَم دے نال سارے یار

مُرشد آباد وے اندر یار ورحمت ربدی ٹھاٹھاں مارے
فیض روحانی لُٹ جاوَن جو وی جاندے لیکھاں ہارے
حضرت جی اللہ یارؒ دے دَر تے آندے بڑے نظارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکائیے دَم دَم دے نال سارے یار

انجمؔ نیک نصیب جنہاں دے لگ جاندے نیں ربی ڈھو
مِل جاوے جد مرشد کامل مِل جاندی اے دل نوں لو
ہِک اِس دھرتی دے اُتے ویکھن عرش منارے یار
اللہ ہُو دا ذکر پکائیے دَم دَم دے نال سارے یار

(فقیر محمد مشتاق انجمؔ نقشبندی اویسی)